۷۸۶

تنویر الابصار

بجواب

اعتراضات رسالہ "نگار"

مولفہ

فاضل اجل مولانا مولوی سید نجم الدین صاحب مہدوی

افضل العلما (مدراس)

باہتمام

سید جعفر بڈھا ماسٹر و صاحب خان ساہوکار چن پٹن میسور

مطبوعہ

الکلام الیکٹرک مشین پریس بنگلور سٹی

جون ۱۹۳۶ء

قیمت ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مطالبا حامد ق

رسالہ "نگار" لکھنو بابتہ فبروری ۱۹۳۵ء جلد (۲۷) نمبر (۲) میں مہدویہ سے متعلق ایک مضمون شایع ہوا۔ اس مضمون میں عدم ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہدویہ کی نسبت بعض غلط باتیں منسوب کی گئی تھیں کہ وہ مذہب میں تقیہ کرتے اور ان کی شادی و غمی کے مراسم عام مسلمانوں سے مختلف ہیں وغیرہ۔

اس مضمون کے ابتدائی حصے کی نسبت جو ذاتی رائے، قیاس یا اعتقاد کی حیثیت رکھتا ہے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ شخص کو اختیار ہے کہ جو رائے رکھے چاہے جو اعتقاد۔ بہت سے لوگ خدائے تعالیٰ ہی کے وجود کو نہیں مانتے بیشمار لوگ حضرت سرور کائنات رسولنا و نبینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں اکثر عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی نبی کے ظہور کی ضرورت ہی نہیں خیال کرتے ہیں اس قسم کے خیالات وعقاید کا نمونہ خود رسالہ نگار کے پچھلے نمبرات

پیرا ہوتی موجود ہے اور اس کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے چنانچہ اس قسم کے نادانہ اعتراضات سے اب تک بہت سارے فرقے یا فرقوں کے معتقد علیہ بزرگ محفوظ نہیں رہے ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض انبیاء کی جناب میں بھی سوء ادبی کرنے اور احادیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے سے اس کی طرف سے دریغ نہیں ہوا ہے یہاں تک کہ بعض مضامین سے بارگاہ ایزدی میں بھی استہزا کا انداز نمایاں رہا ہے۔ وہ زمانہ ابھی تک بھولا نہیں ہے جب کہ علماء عصر نے اس کی بدعنوانیوں پر سختی سے مواخذہ کیا اور آخر نگار کو اپنی ان تمام بد اعتقادیوں پر توبہ کا پردہ ڈالنا پڑا۔ پس اڈیٹر نگار کا آج روپ بدل کر مہدویہ کے مقابلے میں اس طرح ظاہر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ لیکن مضمون کا وہ حصہ جو خاص مہدویہ سے متعلق تھا اس سے ہر مہدوی کو گہرا تعلق اور اس کی تردید یا اظہار حقیقت کا حق حاصل ہے۔ اس پر نواب بہادر یار جنگ بہادر مہدوی حیدرآبادی نے ایک توضیحی بیان بھیجا جس سے مقصد صرف ان غلط فہمیوں کا رفع کرنا معلوم ہوتا ہے جنکے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

اس توضیحی بیان کو رسالہ نگار جلد (۲۷)، شمارہ (۴) بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۵ء میں شایع کرتے ہوئے ایک حزین مضمون۔

"نواب بہادر یار جنگ سے چند سوالات مہدویہ عقاید کے متعلق"

کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں کہیں مہدویہ کے عقاید و اعمال کی نسبت غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے اور بانی مذہب

حضرت امامنا سید محمد جونپوری مہدئ موعود علیہ السلام کی جناب میں بے ادبانہ اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

ایسے وقت میں جب کہ عام اتحادِ اسلامی کی ضرورت تسلیم کی جارہی ہے معاندین اسلام کے مقابلے میں مسلمانوں کو متحد کوشش کرنا ضروری ہے فرقہائے اسلامی میں باہمی مناقشات کا پیدا کرنا عام مفادِ اسلامی کے منافی ہے خاصکر جب کہ مہدویہ کی طرف سے کوئی وجہ تحریک نہیں پائی جارہی ہے بے وجہ در بلا سبب اس قسم کی مذہبی چھیڑ چھاڑ البادی اظلم کا مصداق ہے۔

چونکہ اس مضمون سے مذہب مہدویہ کے متعلق غلط فہمی پیدا ہونیکا اندیشہ ہے اس لیے اس کے رفع کرنے اور خصوصاً اہل مذہب کی مذہبی معلومات میں اضافہ حاصل ہونے کے لئے ان اعتراضات کی حقیقت پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوا۔

معترض یا اس مضمون کے لکھنے والے صاحب نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس پر تفصیلی بحث کرنے سے قبل چند امور کے واضح کرنے کی ضرورت ہے جو اس مضمون سے متعلق اور اصولی طور پر منصف مزاج ناظرین کے لئے قابل توجہ اور لائق غور ہیں۔

(۱) اگرچہ مضمون نگار صاحب نے اپنی اس تمام مستفسرانہ تحریر کا مخاطب نواب بہادر یار جنگ بہادر کو بنایا ہے لیکن یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اور ہر اہل مذہب اس کی نسبت کہنے سننے اور اصلیت و حقیقت کو ظاہر کرنے کا حق رکھتا ہے چنانچہ کوئی عیسائی یا آریہ وغیرہ غیر مسلم معترض کسی خاص کتاب

کی تردید یا کسی خاص شخص سے مناظرہ و بحث کے تحت اسلام یا بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اروا حنا فداہ کی نسبت اعتراضات کرے تو اُن کے جوابات اور ادا کرنیکا حق ہر مسلمان کو حاصل ہوتا ہے اور یہ فطری و مذہبی حق اُس شخص سے مخصوص نہیں ہوجاتا۔ اس اصول کے مدنظر بہت ممکن ہے کہ اور کسی صاحب نے اُبتک اسکے متعلق کچھ لکھا ہو یا کوئی اور صاحب آئندہ بھی لکھیں۔

(۲) مضمون نگار صاحب نے مہدویہ کی جن کتابوں کے نام لکھے ہیں مثلاً انصاف نامہ۔ پنج فضائل۔ شواہد الولایت وغیرہ اور جن کے اقوال کو اپنے اعتراضات یا شبہات کا ماخذ بتایا اور جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ راست اِن کتابوں سے یہ مضامین اخذ نہیں کئے ہیں بلکہ کسی ایسی کتاب سے وہ مضامین لئے گئے ہوں گے جس کے مولف نے مہدویہ کی اِن کتابوں کو اپنا ماخذ بتایا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں بھی وہ تمام نقائص اور غلطیاں پائی جاتی ہیں جو اُس کتاب میں موجود ہوں گے مثلاً مضامین کے نقل کرنے میں اُس کتاب کے موءلف نے بد دیانتی یا بے سمجھی یا غلط فہمی سے کام لیکر کہیں تحریف کی ہوگی کہیں ضروری حصے چھوڑ دئے ہوں گے اور لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا سا اقتباس کیا ہوگا کہیں کچھ اضافہ کرکے بدنامی پیدا کرنے کی کوشش کی ہوگی بقول سر سید احمد خاں صاحب جو آپ نے سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر پنجاب کی کتاب "لائف آف محمد" کے متعلق لکھا ہے کہ

"اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف

باتوں کو بھی توڑ موڑ کر اس وضع پر ڈھالا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
چلے ہی سے ہر کتاب کا اس طرح لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا۔ (ملخصاً)

اسی طرح اُس کتاب کے مولف نے بھی مذہب مہدویہ کی سیدھی سادی باتوں کو توڑ موڑ کر بدنما صورت میں پیش کیا ہوگا حالانکہ اُن کی اصلی صورت ایسی نہیں تھی۔ اور مضمون نگار صاحب نے بے سوچے سمجھے اُس کتاب کے مندرجہ مضامین اپنے مضمون میں درج کر دئے۔ غرض ہم دیکھتے ہیں کہ اس مضمون میں بھی یہ تمام نقائص موجود ہیں جس سے مذکورہ قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر اس قیاس کے مطابق مضمون نگار صاحب نے مہدویہ کی کتابوں سے راست طور پر یہ مضامین نقل نہیں کئے ہیں بلکہ کسی اور کتاب میں جو کچھ دیکھا وہی نقل کر دیا ہے تو ان پر اخلاق و دیانت کا یہ فرض ضرور تھا کہ وہ جس کتاب سے مضامین اخذ کئے تھے اسی کتاب کا حوالہ دیتے اور اس کتاب کا نام چھپا کر مہدویہ کی اصلی کتابوں سے یہ مضامین ماخوذ ہونا ظاہر نہ کرتے اور مضامین کی حد تک تصحیح النقل کے خود ذمہ دار نہ بنتے اگر وہ مہدویہ کی انہی کتابوں سے راست طور پر یہ مضامین نقل کئے ہیں جن کا انہوں نے حوالہ دیا ہے تو ان پر تصحیح النقل کی تمام تر ذمہ داری عاید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو مہدویہ کی اُن اصل کتابوں سے مطابق کر کے دکھلائیں اس صورت میں ان کا فرض تھا کہ وہ اصل عبارت میں کتر بیونت نہ کرتے یا وہ پوری عبارت یا مضمون نقل کرتے جس کو اس مسئلہ سے تعلق تھا جس سے ناظرین پر اصلی مطلب

در نغمہ ہو جاتا اور انہیں مغالطہ ہونے کا امکان نہ رہتا چنانچہ قرآنی باتیں تقسیم ترکہ بر مہاجرین و انبیا کا ناقص الاسلام ہونا وغیرہ مسایل کے بیان کرنے میں اسی قسم کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

(۴۳) غالباً تمام مسلمان واقف ہیں کہ اہل سنت کے دو بڑے گروہ ہیں ایک متکلمین، دوسرے محققین یا صوفیائے کرام۔ ان دونوں کے اصول باہم مختلف ہیں اگرچہ ان دونوں کا ماخذ قرآن شریف و احادیث رسول اللہ ہی ہیں لیکن ان کا طریقہ استدلال ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہر ایک کی اصطلاحات اور مسائل جدے جدے ہیں مضمون نگار صاحب نے مہدویہ کے نام سے جو روایات یا مسائل لکھے ہیں ان میں سے بعض علمائے محققین یا صوفیائے کرام کے مشرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر شبہات ظاہر کرنے یا انکو مورد اعتراض خیال کرنے میں یہ غلطی کی ہے کہ اہل باطن کے مسائل کو اہل ظاہر کی نظر سے دیکھا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ غلطی بھی مضمون نگار صاحب سے ذاتی طور پر سرزد نہیں ہوئی ہوگی بلکہ ان مسائل کو بھی انہوں نے کسی ایسی کتاب سے نقل کیا ہے جسکے مولف نے مہدویہ کے عناد میں پہلے پہل اس غلطی کا ارتکاب کرکے اہل باطن کے اصول سے ناواقفیت کے باعث یا مہدویہ پر اعتراض کرنے کے لباس میں خود صوفیائے کرام کو قصداً مورد اعتراض بنایا ہے۔ اور ان کو اہل ظاہر کے اصول پر جانچ کر اپنے

زعم باطل ہیں اس کو قابل اعتراض بلکہ تمام اہل سنت کے خلاف اعتقاد ہونا بتایا ہے حالانکہ وہ مسائل مہدویہ سے مختص نہیں ہیں بلکہ تمام صوفیائے کرام کے مسلمہ مسائل ہیں ایسی صورت میں ان مسائل کی نسبت کسی معترض کا یہ کہنا کہ یہ مسائل اہل سنت کے اعتقاد کے خلاف ہیں گویا ان صوفیائے کرام کو جو خود اہل سنت بلکہ اہل سنت کے امام ہیں مورد الزام قرار دینا اور ان کو زمرۂ اہل سنت سے خارج بتانا ہے مثلاً غیر مخلوقیت بعض اشیا یا انبیاء علیہم السلام کا ناقص الاسلام ہونا وغیرہ مسائل یہی نوعیت رکھتے ہیں جن کی تفصیل آگے آئیگی۔ گو ممکن ہے کہ مضمون نگار صاحب کو یا کسی کتاب کے مولف کو جو مضمون نگار صاحب کے اس مضمون کا ماخذ ہوگی ان ائمۂ دین یا اولیائے متقدمین سے سوء اعتقاد ہو اور وہ ان ذوات مقدسہ کو کسی نہ کسی طرح بدنامی پیدا کرنے کے درپے ہوں لیکن وہ لاکھوں فرزندان اہل سنت جو صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ سے عقیدت اور اس مسلک کے نکات و رموز سے واقفیت رکھتے ہیں کبھی ان مسائل کو اہل سنت کے خلاف کہہ کر خود کو مورد الزام قرار دے لینے کی جرأت نہیں کریں گے۔

(۴) یہ عام قاعدہ ہے کہ کسی شخص خاص کی نسبت جو اطلاقات یا احکام عاید ہوتے ہیں وہ یا تو اس کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں یا اس کے کسی منصب و حیثیت سے متعلق ہوتے ہیں۔ جو احکام یا اطلاقات کسی خاص منصب یا خاص حیثیت سے متعلق ہوتے ہیں وہ اس منصب

قطع نظر کرکے کبھی عاید نہیں کئے جاتے۔ مثلاً زید ایک سرکاری اعلیٰ عہدہ دار ہے وہ تمام اختیارات و اعزازات جو اس کو اس عہدہ کی حیثیت سے حاصل ہوں وہ اس کے خاص عہدہ اور منصب سے ہی متعلق ہونگے۔ اگر کوئی کہے کہ زید کو یہ اختیارات و اعزازات کیوں اور کسطرح حاصل ہیں تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ اس کو اس عہدہ کی وجہ سے حاصل ہیں یا اس کے عہدہ اور منصب کے یہ لوازمات ہیں۔

اس سے بھی واضح مثال یہ ہے کہ ہم سب مسلمان حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی نسبت جن فضائل کا اعتقاد رکھتے ہیں مثلاً حضرت کا معصوم عن الخطا ہونا۔ حضرت کی تصدیق عامۂ خلایق پر فرض اور حضرت کا انکار کفر ہونا وغیرہ وہ آپکے رسول و پیغمبر برحق اور خاتم النبین ہونے کی حیثیت سے رکھتے ہیں نہ صرف محمد بن عبداللہ ہونیکے اعتبار سے بعض عیسائی اور آریہ نے حضرت کی ذات اقدس کو اس اعلیٰ حیثیت سے قطع نظر کرنے ہٹانے اور صرف ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان فضائل کا کا اطلاق کرنے کی غلطی کی ہے۔

اسیطرح مہدویہ جن فضائل و کمالات کو حضرت سید محمد جونپوری علیہ السلام کی ذات اقدس سے متعلق ہونیکا اعتقاد رکھتے ہیں وہ آپکے مہدئ موعود۔ خلیفۃ اللہ۔ خاتم ولایت محمدیہ۔ یا خاتم الاولیا ہونیکی حیثیت سے رکھتے ہیں۔ پس یہاں بھی آریہ وعیسائی معاندین اسلام کی طرح اس اعلیٰ اور ممتاز حیثیت و منصب سے ہٹ کر مہدویہ کے عقاید کو محض

ذات سید محمد جونپوری سے وابستہ کر کے دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر اس کے عوض یہ بات تحقیق طلب قرار دی جائے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا نہیں تو اصل معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ یہ عقاید صرف مہدویہ ہی سے مخصوص ہیں یا اکابرین اہل سنت بھی ان عقاید کے قایل ہیں چنانچہ اس نظریہ کے تحت کئی مسئلوں کا تصفیہ آسانی سے ہو سکتا ہے مثلاً تصدیق کی فرضیت منکر کا حکم، معصومیت، خلفائے اربعہ سے افضلیت، تسویت یا مماثلت با رسول مقبول صلعم وغیرہ۔

(۵) مضمون نگار صاحب نے جو بجا طور پر بعض عقاید یا روایتوں کو اہل سنت کے خلاف باور کرانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ اہل سنت وہ کن کو کہتے ہیں اور اہل سنت کی انکے پاس تعریف میز کیا ہے شاید ان کے خیال میں اہل سنت وہی ہیں جو انکے ذاتی خیالات کے ہمنوا ہیں۔ اور جو ان کے ہم خیال نہیں وہ انکے خیال میں اہل سنت بھی نہیں ہیں۔ لیکن یہ صریح بے اصول بات ہوگی اگر اہل سنت کا مفہوم عام کسی خاص شخص کی ذہنیت کے تابع ہو جائے۔

حقیقتاً اہل سنت کے مفہوم سے جو فرقے اہل سنت میں سے سمجھے شمار کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ متکلمین بھی اہل سنت ہیں جمہور محققین یعنے صوفیائے کرام بھی اہل سنت میں پہلا گروہ ہی یا تو ائمہ مجتہدین کا مقلد ہے یا تشخصی اتباع کا قائل نہیں۔ متقدمین کے بھی چند بڑے گروہ ہیں

حنفی۔ شافعی مالکی حنبلی۔ اگرچہ ان کے علاوہ یا ان کے ضمن میں اور بھی فرقے پائے جاتے ہیں لیکن اہل سنت کے بڑے گروہ یہی ہیں۔ یہ سب اپنے آپ کو اہل سنت کہلانے کے باوجود ان میں باہم بہت سے اختلافات ہیں جنکے نظر کرتے پہلے یہ فیصلہ کرنا مضمون نگار صاحب کا فرض ہے کہ کیا یہ تمام فرقے اہل سنت ہیں یا ان میں سے بعض اہل سنت کی تعریف میں داخل اور بعض خارج ہیں اگر ان میں سے بعض فرقے اُن کے پاس اہل سنت کی تعریف سے خارج ہیں تو وہ کون سے ہیں اور پھر مہدویہ کی تخصیص کیوں ہے؟ ان فرقوں پر بھی یہ اعتراض وارد ہونا چاہئے کہ ان کے عقاید اہل سنت کے عقاید کے موافق نہیں ہیں۔

اگر سب کے سب اہل سنت کہلائے جا سکتے ہیں تو پس مہدویہ کا جو عقیدہ یا جو روایت کسی بھی فرقۂ اہل سنت کے اصول سے مطابقت رکھتی ہو اُس کی نسبت یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ اہل سنت کے خلاف ہے۔

(۶) مناظرہ کا ایک عام اصول ہے کہ خصم کے جس قدر مسلمات ہوں وہ سب فریق مقابل کے مسلمات سے ہونا ضروری نہیں اسیطرح کسی شخص خاص کے بعض اقوال و دلائل مناظرہ کے وقت پیش کرنا بطور حجت الزامی کے ہوتا ہے اس سے اُس کے دوسرے اقوال و دلائل کا بھی تسلیم کرنا لازم نہیں ہو جاتا کیونکہ ایک قانونی اصول ہے کہ متخاصمین میں سے ایک فریق کے موافق بیان سے دوسرا فریق حجت لے سکتا ہے لیکن اسی فریق کے مخالف بیان سے فریق مقابل پر الزام نہیں

قائم ہو سکتا۔ چنانچہ تمام مذہبی مناظرات میں یہی اصول ملحوظ رہا ہے۔
آج بھی مسلمان مناظرین مستشرقین اہل یورپ یا دوسرے غیر مسلم
مؤلفین کے وہ اقوال جو اسلامی احکام یا بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی
سیرت سے متعلق ہوتے ہیں استدلالاً یا الزاماً پیش کرتے ہیں۔ لیکن
اس طرح اُن کے کسی قول سے حجت لینے سے اُن مؤلفین کے تمام
اقوال مسلمانوں کے لئے قابل تسلیم نہیں ہو جاتے خصوصاً وہ اقوال
جن میں عقاید اسلامیہ یا حالات و واقعات اسلامیہ کے متعلق اُن
مؤلفین نے غلطی کی ہو۔

اس موقع پر بھی جس قدر دلائل ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے بعض
تو وہ قطعی دلائل ہیں۔ جن کا ماننا ہر مسلمان پر واجبات سے ہے
جیسے آیات قرآنی و احادیث رسالت پناہی۔ اور ان کے علاوہ جو
اقوال و دلائل نقل کئے گئے ہیں سب انہی مؤلفین کے۔ دوسرے تمام اقوال و آراء کا
اسی ضابطے کے موافق ہمارے مسلمات سے ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۷) مضمون نگار صاحب نے ابتدائے مضمون میں لکھا ہے کہ غالباً آپ
یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ آپ کو مذہبی معلومات راست حضرت سید محمد جونپوری
سے حاصل ہوئے ہیں یقیناً آپ کی معلومات کا مدار جمیع وہی کتابیں ہیں
جو سید محمد صاحب کے متبعین نے لکھی ہیں۔

مضمون نگار صاحب نے اپنے زعم میں یہ بڑی عجیب اور انوکھی
بات کہی ہے۔ لیکن غور کرو تو خود مضمون نگار صاحب یا اس زمانہ کا کوئی

مسلمان بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کو مذہب اسلام کی تمام معلومات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راست طور پر حاصل ہوئی ہیں۔ تمام اسلامی احکام بھی انکو انہی کتابوں سے معلوم ہوتے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے متبعین نے حضرت کے بعد لکھی ہیں۔ کیونکہ آپ یا کوئی مسلمان یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت صلعم نے کوئی کتاب تالیف یا تصنیف فرمائی ہے اور نہ اسلامی بیشمار کتابوں میں آج کوئی ایسی کتاب ہے جو خاص حضرت صلعم کی تالیف تصنیف کہی جا سکے تمام پیغمبروں اور خلفاء اللہ کی طرح آپ کو خدا تعالیٰ سے جو حکم ہوتا گیا وہ خلق کو تبلیغ فرماتے گئے اور سننے والوں نے ان احکام کو محفوظ رکھنے اور ضبط کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح امامنا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے حضرت رسول اللہ صلعم اور دوسرے تمام خلفاء اللہ علیہم السلام کی اسی سنت جاریہ کے مطابق کوئی تالیف و تصنیف نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو حکم ہوتا گیا آپ خلق کو تبلیغ فرماتے گئے اور سننے والوں نے اس کو محفوظ رکھنے اور ضبط کرنے کی کوشش کی۔

پس جس طرح ہر معتبر و غیر معتبر اسلامی کتاب میں جو بات بھی موجود ہو اس کو کوئی معاند اسلام پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ یا مذہب اسلام پر اعتراض نہیں کر سکتا جب تک اس کی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف صحیح نہ ثابت کرے۔ اسی طرح کسی معترض کا کسی بھی مہدوی مولف کی ہر کتاب میں جو بات لکھی ہو اس کو پیش کر کے

حضرت مہدی موعود علیہ السلام یا مذہب مہدویہ پر کوئی اعتراض کرنا صحیح نہیں ہو سکتا جب تک اسکی نسبت حضرت امامنا علیہ السلام کی طرف صحیح نہ ثابت ہو۔

(۵) اس کے بعد مضمون نگار صاحب نے یہ بتایا ہے کہ "وہ سردست اس سے بحث کرنا نہیں چاہتے کہ خود ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ہی سرے سے قابل قبول ہے یا نہیں ؟"

ہم بھی سردست اس مسئلہ پر کوئی مستقل بحث نہیں کرتے جب مضمون نگار صاحب اس مسئلہ پر بحث کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے تو ہم بھی اس پر تنقید کرنے کیلئے حاضر ہو جائیں گے لیکن عام ناظرین کی آگاہی کیلئے اتنا کہہ دیا جاتا ہے کہ کوئی خاص شخص اس مسئلہ میں کیا رائے رکھتا ہے اس سے بحث کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی البتہ ان عام اصول کے تحت جن سے تمام اسلامی احکام و عقائد مستخرج ہوئے ہیں یہ دلچسپ تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے ضروری ہونے کا اعتقاد رکھنا ایک مسلمان کے لئے کہاں تک ضروری ہے۔

ہم اہل اسلام حضرت سرور کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت اور آپ کی نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کیلئے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات۔ معجزات۔ اہل زمانہ کے حالات۔ آپ کے پر از حکمت احکام و ارشادات انبیاء سابقین کی بشارات وغیرہ جن وجوہ

و دلائل سے استدلال کرتے ہیں یہی مباحث مہدی علیہ السلام کی بعثت کے ضروری ہونے سے متعلق بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہم اس موقع پر ان سب سے قطع نظر کرکے اس بحث کو کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ اور یہاں صرف احکام خدا و رسول سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔

مسلمانوں کے اعتقاد میں جو بات خدا و رسول کے حکم سے ثابت ہو اس پر ایمان رکھنا اور اس کو سچ جاننا ضروری ہے انہی اصول پر تمام اسلامی عقائد و اعمال کی بنا ہے۔ مثلاً توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ کی فرضیت اور بت پرستی۔ شراب وغیرہ کی حرمت۔ آخرت جنت۔ دوزخ۔ حوض کوثر۔ عذاب قبر۔ قیامت اور اس کے علامات اور علامات جیسے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دابۃ الارض کا خروج حشر۔ نامہ اعمال اور ان کا تولنا۔ جنت میں مومنین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا۔ رسول اللہ صلعم کی معراج اور اس کی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الانبیاء اور سید البشر اور شافع محشر ہونا وغیرہ بہت سے امور پر مسلمان اسی لئے ایمان لاتے اور ان کے سچ ہونے کا یقین یا اعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ یہ خدا و رسول کے حکم سے ثابت ہیں۔

تمام اسلامی عقائد و اعمال میں بعض تو ایسے ہیں جو قرآن شریف میں صاف طور پر مذکور ہوئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کی تفصیل قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہی سے

یہ ثابت ہے مثلاً قرآن شریف میں أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث ہی سے یہ تفصیل ثابت ہوتی ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے۔ ارکان نماز کس ترتیب سے ادا کئے جائیں۔ اور کس چیز کی زکوٰۃ کس مقدار میں ادا کی جائے اور کون شخص ادا کرے اور کب ادا کرے۔

ہم اس وقت قرآن شریف کی اُن آیات سے بحث کرنا نہیں چاہتے جن میں مہدی علیہ السلام کی اُسی طرح خبر پائی جاتی ہے جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت انبیاء سابقین کی کتابوں میں موجود ہے۔ بلکہ ہم صرف احادیث رسول اللہ صلعم کی روشنی میں ظہور مہدی موعود علیہ السلام کے مسئلہ کو اہل سنت کے اصول و ضوابط کے مطابق واضح کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اُن تمام حدیثوں کی طرح جو تمام اسلامی احکام اسلامی عقائد اسلامی اعمال کا ماخذ ہیں۔ مہدی علیہ السلام کی متعلقہ احادیث بھی حدیث کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں۔

یہ احادیث جن کثیر التعداد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں اُن میں ایسے جلیل القدر صحابہؓ بھی ہیں جن کی روایت مرجح سمجھی جاتی ہے اور اتنی کثیر تعداد دوسرے مسائل میں کم پائی جاتی ہے چنانچہ یہ حدیثیں جن صحابہ سے روایت کی گئی ہیں ان کے اسماء یہ ہیں۔

علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ حسین بن علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ حذیفہ۔ جابر بن عبداللہ۔ ابو ہریرہ۔

سعید بن المسیب۔ ابو ایوب انصاری۔ عمار بن یاسر۔ ثوبان۔ ابوذر غفاری عوف بن مالک۔ زہری۔ عائشہ۔ ام سلمہ۔ ام حبیبہ۔ ابو سعید خدری انس بن مالک۔ عبد الرحمان بن عوف۔ قرۃ بن ایاس۔ طلحہ۔ علی الہلالی کعب الاحبار۔ ابو امامہ۔ عبد اللہ بن حارث۔ قیس بن جابر۔ قرۃ المزنی۔ ابو الطفیل۔

ان احادیث کو جن محدثین نے اپنی صحاح و مسانید یا مجموعۂ احادیث میں روایت کیا ہے۔ ان میں بھی مشہور محدثین اور ائمۂ حدیث شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

احمد حنبل۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی۔ طبرانی۔ حاکم۔ ابو نعیم۔ نعیم بن حماد۔ دارقطنی۔ باوردی۔ ابو یعلی۔ بزار۔ ابن عساکر۔ ابن مندہ۔ روبانی۔ ابو خزیمہ ابو عوانہ۔ ابو الحسن حربی۔ عمرو بن شیبہ۔ عامر۔ ابو بکر مقری۔ خطیب۔ ابن سعد محاملی۔ ابو عمرو الدانی ابن الجوزی۔ ابو غنم الکوفی۔ ابو الحسن المنادی ابو بکر الاسکاف۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ حسن بن سفیان۔ حرث ابن ابی اسامہ بیہقی۔

ان محدثین نے احادیث مہدی علیہ السلام کو اپنی اپنی صحاح و مسانید وغیرہ میں کتاب الفتن یا کتاب القیامۃ کے تحت لکھا ہے اور بعض نے ظہور مہدی کا خاص باب باندھا ہے۔

بعض محدثین اور علماء اہل سنت نے ان احادیث کے خاص مجموعے تیار کئے ہیں جو حضرت مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں مثلاً

العقد الدرر فی احادیث المہدی المنتظر مولفۂ فاضل العلامہ یوسف بن یحییٰ بن علی المقدسی الشافعی

العرف الوردی فی اخبار المہدی	"	علامہ حافظ جلال الدین سیوطی
القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر	"	علامہ شیخ ابن حجر الہیتمی الشافعی
البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں	"	ملا علی متقی ۔
المشرب الوردی فی مذہب المہدی	"	ملا علی قاری

مہدی علیہ السلام کی نسبت کتنی احادیث وارد ہیں، ان کی تعداد میں محدثین کو اختلاف ہے۔ جس محدث کو جتنی حدیثیں ملیں، انھوں نے اسی قدر تعداد لکھی ہے۔ بعض محدثین کا قول ہے، کہ مہدی علیہ السلام سے متعلق تین سو احادیث تک وارد ہیں۔ برزنجی نے اشاعہ فی اشراط الساعۃ میں لکھا ہے کہ:۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاَحَادِيْثَ الْوَارِدَةَ فِيْهِ عَلٰى اخْتِلَافِ رِوَايَاتِهَا لَا تَكَادُ تَنْحَصِرُ وَلَوْ تَعَرَّضْنَا لِتَفْصِيْلِهَا لَطَالَ الْكِتَابُ وَخَرَجَ عَنْ مَوْضُوْعِهَا

مہدی علیہ السلام کے متعلق جو احادیث مختلف روایتوں سے وارد ہیں، ان کا حصر نہیں کیا جا سکتا، اگر ہم انکی تفصیل بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے گی اور یہ کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

مشہور علمائے اہل سنت اس امر کے قایل ہیں کہ مہدی علیہ السلام کے متعلق جو احادیث حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ امام قرطبی نے تذکرہ میں ابو الحسن سنجری کا قول نقل کیا ہے کہ:

قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاسْتَفَاضَتْ بِكَثْرَةِ رُوَاتِهَا عَنِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَهْدِيِّ وَاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہدی علیہ السلام کی نسبت راویوں کی کثرت کے ساتھ متواتر و مستفیض اخبار وارد ہیں، اور یہ کہ مہدیؑ آنحضرتؐ کی اہل بیت سے ہیں۔

شیخ ابن حجر ہیتمی القول المختصر میں لکھتے ہیں کہ

قَالَ بَعْضُ اَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ اِنَّ كَوْنَ الْمَهْدِيِّ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَاتَرَتْ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بعض حفاظ ائمہ حدیث کا قول ہے کہ مہدی علیہ السلام کا آل رسول علیہ السلام سے ہونا رسول اللہ صلعم سے تواتراً مروی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ کے باب الساعہ میں لکھتے ہیں کہ۔

قَدْ وَرَدَتْ فِيْهِ الْاَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ مُتَوَاتِرَةُ الْمَعْنٰى

مہدی علیہ السلام کے متعلق متواتر المعنیٰ کثیر احادیث وارد ہیں۔

اَيْضًا قَدْ تَظَاهَرَتِ الْاَحَادِيْثُ الْبَالِغَةُ حَدَّ التَّوَاتُرِ مَعْنًى فِيْ كَوْنِ الْمَهْدِيِّ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ رض

مہدی علیہ السلام کے اہل بیت رسول اللہ صلعم اولاد فاطمہؓ سے ہونے کی احادیث تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں

ملا علی قاری نے رسالہ "المہدیؑ" میں لکھا ہے،

قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ

مہدی علیہ السلام کی نسبت رسول اللہ صلعم سے متواتر اخبار وارد ہیں، یہ کہ آپ آنحضرت صلعم کی اہل بیت سے ہیں۔

بحر العلوم مولانا عبدالعلی ملک العلما اشراط الساعہ میں لکھتے ہیں۔

"احادیثیکہ دال اند بر خروج امام مہدیؑ کثیر اند، کہ مبلغ آں بتواتر،

معنی رسیدہ است"۔

برزنجی نے اشاعہ فی اشراط الساعہ میں لکھا ہے۔

وان احادیث وجود المهدی وخروجه فی اخر الزمان وانه من عترة رسول الله صلی الله علیه وسلم من ولد فاطمة بلغت حد التواتر المعنوی فلا معنی لانکارها ومن ثم ورد من کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمهدی فقد کفر رواه ابو بکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السهیلی فی شرح السیر له

وجود مہدی علیہ السلام کی حدیثیں اور آپکے آخر زمانے میں ظہور کرنے اور آپکے رسول اللہ صلعم کی عترۃ فاطمہ کی اولاد سے ہونے پر دلالت کرنیوالی احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں پس انکا انکار بے معنی ہے اور اسی سبب سے حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص دجال کے وجود کو جھٹلائے وہ کافر ہے اور جو مہدی کو جھٹلائے وہ کافر ہے اسکو ابو بکر الاسکاف نے فوائد الاخبار میں اور ابو القاسم سہیلی نے اپنی شرح السیر میں روایت کی ہے۔

علمائے حدیث اور علمائے اصول کا مقررہ ضابطہ ہے کہ خبر متواتر سے ایسا قطعی و یقینی علم حاصل ہوتا ہے کہ آدمی اس کے ماننے پر مجبور ہے۔ اور اس کا رد کرنا ممکن نہیں۔ اسکے خلاف معتزلہ خبر متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہونے کے قایل ہیں، چنانچہ "شرح نخبۃ الفکر" میں لکھا ہے:

وهذا الکون المتواتر مفیدا للعلم الیقینی هو المعتمد لان خبر المتواتر یفید العلم الضروری وهو الذی یضطر الانسان الیه بحیث لا یمکنه دفعه

یہ مسئلہ یعنے خبر متواتر سے علم یقینی کا فائدہ ہونا مذہب مختار ہے کیونکہ خبر متواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے جسکے ماننے پر آدمی اسطرح مجبور ہے کہ انکار و رد کرنا ممکن نہیں

اصول الشاشی میں لکھا ہے، کہ

ثُمَّ الْمُتَوَاتِرُ يُوجِبُ الْعِلْمَ الْقَطْعِيَّ وَيَكُوْنُ رَدُّهُ كُفْرًا اهـ

متواتر موجب علم قطعی ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔

کتاب "ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی" میں ہے:۔

وَمِنْ هٰهُنَا ظَهَرَ اَنَّ الْعِلْمَ الْحَاصِلَ بِالْمُتَوَاتِرِ عِلْمٌ قَطْعِيٌّ كَالْعِيَانِ لَا كَمَا ظَنَّ الْمُعْتَزِلَةُ اَنَّهُ يُوجِبُ عِلْمَ طُمَانِيَةٍ وَاطْمِينَانٍ لِاحْتِمَالِ الْكِذْبِ	اس سے ظاہر ہے کہ متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ معائنہ کی طرح قطعی علم ہے اور معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں، کہ احتمال کذب کی وجہ سے خبر متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول بزدوی میں معتزلہ کے اس خیال کی نسبت لکھا ہے۔

وَهٰذَا اَيِ الْقَوْلُ بِاَنَّ الْمُتَوَاتِرَ يُوجِبُ عِلْمَ طُمَانِيَةٍ لَا يَقِيْنٍ قَوْلٌ بَاطِلٌ يُؤَدِّي اِلَى الْكُفْرِ	یہ کہنا کہ متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے علم یقینی نہیں ہوتا، باطل قول ہے، جو کفر تک پہنچاتا ہے

پس ان تمام اقوال سے جو علمائے مہدویہ کے نہیں، بلکہ علمائے اہل سنت کے ہیں، یہ مقدمات ثابت ہوئے، کہ

۱۔ "وجود مہدی علیہ السلام حدیث متواتر سے ثابت ہے"

۲۔ جو بات احادیث متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی و یقینی ہے۔ اس کا رد یا انکار ناممکن اور موجب کفر ہے،

پس ان دونوں مقدمات سے یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ

"وجود مہدی علیہ السلام قطعی و یقینی ہے جس کا رد کرنا موجب کفر اور ناممکن ہے"

ہم نہیں سمجھتے کہ پھر کوئی مسلمان جو اپنے آپ کو اہل سنت مسلمان ظاہر کرتا ہو (ہم کو اس سے بحث نہیں کہ وہ فی نفسہ ہے بھی کہ نہیں) کس طرح یہ تامل یا انکار کر سکتا ہے، کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ہی سرے سے قابلِ قبول ہے یا نہیں۔

اصولِ حدیث کا ایک اور ضابطہ ہے کہ اخبار متواتر کے راویوں کے ضعف و قوت سے بحث نہیں کی جاتی۔ بلکہ فاسقوں اور کافروں کی روایت بھی اگر حد تواتر کو پہنچ جاوے تو موجب یقین اور موجب عمل ہوتی ہے۔ چنانچہ "شرح نخبۃ الفکر" مولفہ محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شارح بخاری میں لکھا ہے:۔

وَالْمُتَوَاتِرُ لَا يُبْحَثُ عَنْ رِجَالِهٖ بَلْ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ لِاِفَادَتِهِ الْيَقِيْنَ وَاِنْ وَرَدَ عَنِ الْفُسَّاقِ بَلْ عَنِ الْكَفَرَةِ	متواتر کے راویوں کے اوصاف سے بحث نہیں کیجاتی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ موجب یقین ہے اگرچہ فاسقوں بلکہ کافروں سے روایت ہوئی ہو۔

بعض ایسے لوگوں نے جو علوم دینی اور اصولِ حدیث کے ماہر نہیں ہیں اس مسئلہ ضابطہ کے خلاف اخبار متواترہ میں بھی راویوں کے ضعف و قوت کی بحث کرنے کی غلطی ہے۔ جیسے مورخ ابن خلدون نے، احادیث مہدی علیہ السلام کی نسبت، جن کے متواتر ہونے کی محدثین اور علمائے اہل سنت نے تصریح کی ہے۔ بعض راویوں کے مطعون اور ضعیف ہونے کا دعویٰ کرکے وجود مہدی علیہ السلام کا سرے سے، انکار کیا ہے۔ اور ہمارے معترض صاحب یا اُن کے جیسے لوگ اسی طرح

کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ حالانکہ انکی یہ بحث جرح وتعدیل کے تمام ضوابط پر بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صاف ظاہر ہے، کہ مستند علمائے حدیث اور علماے اصول فقہ کے مسلمہ ضابطوں کے مقابلے میں ایک مورخ کے قول کو کبھی اہمیت نہیں ہوسکتی،

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مہدی علیہ السلام کی خبر دینا اس کے متواتر ہونے کی جہت سے قطعی ویقینی ہے۔ تو یہ خود اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے۔ اسکے ساتھ ہی احادیث کے معانی ومطالب پر بھی ایک نظر ڈالنے سے ظہور مہدی علیہ السلام کی ضرورت کے مسئلہ پر مزید روشنی پڑسکتی ہے۔ انبیاء سابقین کی بشارتوں کی طرح ان احادیث میں مبشر کے ظہور کی صرف خبر ہی نہیں دیگئی ہے بلکہ اس موعود رسول اللہ صلعم کا ظہور ضروری ہونے کی یہ تاکیدات احادیث میں پائی جاتی ہیں، کہ

"جب تک اس کا ظہور نہ ہو قیامت نہ آے گی، جب تک وہ مبعوث نہ ہو۔ دنیا ختم نہ ہوگی۔ اگر بالفرض دنیا کے ختم ہونے کو ایک دن یا ایک رات ہی باقی رہ جاے، تو خداے تعالی اس ایک دن یا ایک رات ہی کو اتنا دراز فرمادے گا کہ اس میں اس کا ظہور ہوسکے"

امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ تمہارے اور اس خلیفۃ اللہ کے درمیان برف کیا سمندر بھی حائل ہو تو، برف پر سے رینگتے ہوے جاؤ۔ اور اس سے بیعت کرو۔

کیا کسی کی عقل باور کرسکتی ہے کہ مخبر صادق (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جس

ذات کے ظہور کو اس قدر ضروری اور اہم فرمایا ہے وہ ایک غیر ضروری سا یا محض گمراہ قصہ ہے ؟ ان ہی تاکیدات اور اسی قطعیت کی وجہ سے تمام اہل اسلام اِلّا ما شاء اللہ نفس وجود مہدی علیہ السّلام کے ضروری ہونے پر متفق ہیں ، اگر اختلاف ہے تو صرف تعیین شخصی میں ، کہ وہ موعود رسول اللہ کونسی ذات اقدس ہے ہم معترض صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے خلاف سرے سے وجود مہدیؑ کا انکار کر کے احادیث متواتر کی تردید وانکار کی بلا میں مبتلا نہ ہوں - ہاں اگر آپ کو اماماً حضرت سید محمد جونپوری علیہ السلام کے مہدیؑ موعود ہونے میں شک ہے تو شوق سے یہ سوال اٹھائیے ، ہم جس طرح مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ہمارے نبی کریم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو جن وجوہ و دلایل سے ثابت کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں ، اسی قسم کے وجوہ و دلایل سے اماماً سید محمد علیہ السلام کے مہدیؑ موعود ہونے کو ثابت کرنے کے لئے حاضر ہیں -

اس تمہید کے بعد ہم معترض صاحب کے ان تمام اعتراضات پر ایک اجمالی اور تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اعتراضات کی بنا کسی مخالف مہدویہ کے مجرد قول کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ کسی مخالف کے مجرد بیان سے جس کا کوئی ثبوت نہ پیش کیا گیا ہو کسی فریق پر اعتراض عاید نہیں ہو سکتا ، اگر ایسا ہو سکے تو مخالفین اسلام کی تمام غلط بیانیوں سے مسلمان مورد الزام ہو جائیں گے ، بعض اعتراضات کی بنا غریب اور غیر مستند روایتوں یا شخصی اقوال پر رکھی گئی ہے جو اصول

مناظرہ کے لنظر کرتے صحیح نہیں ہے بہت سے غیر اعتقادی امور یا واقعات یا بیان مراتب ومدارج سے متعلق شخصی اقوال کو عقاید مہدویہ تبلایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اہل مذہب کے کسی فرد کا ذاتی قول یا واقعہ ہے نہ کہ بانیٔ مذہب کا

بعض ایسے مسایل جو درحقیقت اعتقادی ہوسکتے ہیں، ان کو بزعم خود مہدویہ کے مخصوص عقاید اور عقاید اہل سنت کے مخالف سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ اکابرین اہل سنت کے مسلمات سے ہیں، چنانچہ ذیل میں نمبروار مضمون نگار صاحب کے اقوال نقل کرکے ان کا جواب دیا جاتا ہے۔ جس سے منصف ناظرین اس امر کا اندازہ کرسکیں گے، کہ یہ اعتراض کیسے ہیں اور یہ عقاید اہل سنت کے عقاید کے مخالف ہیں یا عقاید اہل سنت سے مطابقت رکھتے ہیں:۔

(۱) مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے:۔ کہ

"آپ کے مسلک میں جناب سید محمدؐ جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض ہے اور ۹۰۵ھ کے بعد سے جب انھوں نے اعلان مہدویت کیا تھا اس وقت تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ یا آئندہ پیدا ہوں گے۔ وہ سب بسبب انکار مہدویت کافر مطلق ہیں"

مہدی موعود علیہ السلام کی تصدیق کی فرضیت اور آپ کے انکار کا حکم بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ معتزلہ حسن وقبح عقلی کے قایل ہیں۔ اور اہل سنت کے پاس حسن وقبح شرعی ہے۔ چنانچہ ان کا ضابطہ یہ ہے کہ:۔

اَلحَسَنُ مَاحَسَّنَہُ الشَّرْعُ وَالْقَبِیْحُ مَاقَبَّحَہُ الشَّرْعُ	جس امر کو شرع حسن قرار دے وہی حسن ہے اور جس امر کو شرع قبیح قرار دے وہ قبیح قرار دیا جائے گا۔

سعدی علیہ الرحمۃ اسی ضابطے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ

بے حکم شرع آب خوردن خطاست دگر خون بفتوی بریزی رواست

پس اس ضابطے کے نظر کرتے جس خاص محل پر جو امر باتباع شارع ہو وہی جایز، بلکہ احسن ہے۔ خواہ ما و شما کی رائے میں وہ اچھا ہو یا برا چنانچہ بعض موجبات کفر کی بنا پر جو احکام کفر عاید کئے جاتے ہیں وہ بھی اسی کلیہ کے تحت ہیں۔ وہ گویا شارع کے کلام کا نقل کرنا ہوتا ہے لہٰذا انکار مہدی کے متعلق ہم یہاں حکم شارع اور علمائے اہل سنت کے اقوال جو ضوابط اہل سنت پر مبنی ہیں صرف نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان روایات کے علاوہ جن سے مہدی علیہ السلام کی تصدیق فرض و واجب ثابت ہوتی ہے۔ اور جن کا ذکر آگے آئے گا، انکار مہدی کی روایات سے بھی لزوم تصدیق کا نتیجہ مستخرج ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ایک طرح کا لزوم پایا جاتا ہے۔ اس تلازم کی وجہ سے ہم ان دونوں بحثوں کو علٰحدہ علٰحدہ درج کرنے کی ضرورت نہیں خیال کرتے، اور ان دونوں کے وجوہ و دلایل ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مہدی علیہ السلام کے منکر کا حکم کیا ہے۔ یہ مسئلہ مہدویہ سے مختص سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اس مسئلے میں اہل سنت اور اہل تشیع بھی اپنے اپنے

معتقد علیہ مہدی کی نسبت غالباً وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو مہدویہ کا ہے، کیونکہ اس اعتقاد کی بنا اخبار و احادیث پر ہے۔ چنانچہ مجموعہ احادیث مہدیؑ کی مشہور کتاب عقد الدرر میں جابر بن عبد اللہ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے، کہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَذَّبَ بِالدَّجَّالِ فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ کَذَّبَ بِالْمَھْدِیِّ فَقَدْ کَفَرَ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس نے دجال کے وجود کو جھوٹ سمجھا وہ کافر ہے اور جس نے مہدیؑ کو جھٹلایا۔ وہ کافر ہے۔

ابو القاسم سہیلی نے بھی اپنی کتاب شرح السیر میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (برزنجی) اور شیخ امام نور الدین احمد بن محمود بخاری صابونی نے ہدایت الکلام میں بایں الفاظ لکھی ہے۔

مَنْ اَنْکَرَ الْمَھْدِیَّ فَقَدْ کَفَرَ	جس نے مہدیؑ کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اسی طرح خواجہ محمد پارساؒ فصل الخطاب میں لکھتے ہیں،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْکَرَ خُرُوْجَ الْمَھْدِیِّ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَمَنْ کَفَرَ نُزُوْلَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فَقَدْ کَفَرَ	جس نے مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انکار کیا تو گویا اس نے محمدؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ اس سے کافر ہوا اور جس نے عیسے بن مریم کے نزول کا انکار کیا وہ کافر ہوا۔

یحیی بن محمد حنبلی مفتی مکہ نے باوجود مخالف مہدویہ ہونے کے

اپنے فتوے میں لکھا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ كَذَّبَ بِالْمَهْدِيِّ الْمَوْعُوْدِ فَقَدْ اَخْبَرَ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِكُفْرِهٖ

یعنے جس نے مہدی موعود کو جھٹلایا، تو رسول اللہ صلعم نے اس کے کفر کی خبر دی ہے،

ہم ان روایتوں کے ذکر کے بعد ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام، اور وجوب اتباع کے وجوہ و دلایل مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔ جن سے اس مضمون کی بھی تاکید اور تائید ہوتی ہے جو ان احادیث سے مستفاد ہو رہا ہے

اولاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہے۔ چنانچہ رسالہ العرف الوردی فی اخبار المہدیؒ میں ابن ماجہ اور حاکم اور ابونعیم کے، حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ يَقْتَتِلُ عِنْدَ كَنْزِكُمْ ثَلٰثَةٌ كُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِيْفَةٍ لَا يَصِيْرُ اِلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَطْلَعُ الرَّايَاتُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيَقْتُلُوْنَكُمْ قَتْلًا لَمْ يَقْتُلْهُ قَوْمٌ ثُمَّ يَجِيْءُ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ فَاْتُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّهٗ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ

اس کا مطلب یہ ہے کہ ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ تمہارے خزانے کے پاس تین آدمی جو خلیفہ کی اولاد سے ہونگے جھگڑینگے لیکن ایک بھی اسپر قابض نہ ہوسکے گا پھر اس کے بعد مشرق کی طرف سے جھنڈیاں نمودار ہونگی پس وہ لوگ تمکو ایسا قتل کرینگے کہ اب تک کسی قوم نے ایسا قتل نہ کیا ہوگا پھر اسکے بعد خدا کے خلیفہ، مہدی آئیں گے پس جب تمکو مہدی کی خبر ملے تو انکے پاس جاؤ۔ اور ان سے بیعت کرو، اگرچہ تمکو برف پر سے رینگتے ہوے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہیں

اس حدیث سے منصوصًا ثابت ہو رہا ہے کہ مہدی علیہ السلام سے بیعت فرض ہے، چنانچہ فَبَایِعُوْهُ کے الفاظ اسی معنے پر دلالت کرتے ہیں اور لَوْحَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ سے اس فرضیت کی مزید تاکید ہوتی ہے اور فَاِنَّهٗ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ کے الفاظ اس فرض کی توجیہ پر دلالت کرتے ہیں پس مہدی کا خلیفۃ اللہ ہونا اور آپ کی بیعت فرض و لازم ہونا اس حدیث سے ثابت ہے

طبرانی کی اس حدیث سے بھی جو عوف بن مالک سے روایت کی گئی ہے۔ اس مضمون کی مزید تاکید اور تائید ہوتی ہے، کہ

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَجِيْءُ فِتْنَةٌ غَبْرَاءُ مُظْلِمَةٌ ثُمَّ تَتْبَعُ الْفِتَنُ بَعْضُهَا بَعْضًا حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُقَالُ لَهُ الْمَهْدِيُّ فَاِنْ اَدْرَكْتَهٗ فَاتَّبِعْهُ وَكُنْ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بڑا فتنہ برپا ہوگا اور پھر یکے بعد دیگرے فتنے برپا ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ میری اہل بیت سے وہ نکلے گا جسکو مہدی کہتے ہیں پس اگر تم اس کو پاؤ تو اس کی اتباع کرو اور ہدایت یافتہ ہوجاؤ۔

اس حدیث سے بھی مہدی علیہ السلام کی اتباع کا صاف حکم ثابت ہو رہا ہے اور یہ کہ مہدی علیہ السلام کی اتباع ہی ہدایت کا ذریعہ ہے

ثانیًا یہ کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت بچند وجوہ ضروریات دین سے ہے۔

اول یہ حاکم اور ابو نعیم کی اس حدیث سے جو انھوں نے ثوبان سے روایت کی ہے ابھی مذکور ہوئی، مہدی سے بیعت کی تاکید اور اس کا وجوب ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ مہدی کی بیعت آپ کی بعثت کی فرع ہے۔ اسی لحاظ سے

بعثت مہدیؑ ضروریات سے ہے۔

دوم یہ کہ مسند امام احمد بن حنبل میں عبداللہ بن عباس سے، اور کنزالعمال میں حضرت علیؑ سے اور نیز مشکوٰۃ میں باختلافِ الفاظ یہ روایت مروی ہے، کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ تَھْلِکَ اُمَّۃٌ اَنَا فِیْ اَوَّلِھَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ اٰخِرِھَا وَالْمَھْدِیُّ فِیْ وَسَطِھَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ امت ہرگز ہلاک نہوگی، جسکے اول میں ہوں اور عیسے بن مریم اسکے آخر میں ہیں اور مہدی علیہ السلام درمیان امت میں ہیں۔

شارع علیہ السلام نے اپنی ذات کی طرح مہدی علیہ السلام کو بھی دافعِ ہلاکت فرمایا ہے۔ پس رسول اللہ کی طرح دافع ہلاکت امت کا ظہور بھی ضروری ہے۔

سوم یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، قیامت اس وقت تک قایم نہ ہوگی جب تک میری اہل بیت سے مہدی مبعوث نہ ہوجاے، چنانچہ دارقطنی، طبرانی، ابونعیم، حاکم وغیرہ محدثین نے ابن مسعودؓ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَبْعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی رَجُلًا مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ	فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ میری اہل بیت سے ایک شخص کو مبعوث نہ کرے گا جس کا نام میرے نام اور اسکے باپ کا نام میرے باپ کے

اَبِيْهِ اِسْمُ اَبِيْ فَيَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا

نام کے مطابق ہوگا پس زمین کو قسط و عدل سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ اَجْلٰى اَقْنٰى يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا يَكُوْنُ سَبْعَ سِنِيْنَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اس وقت تک قیامت نہ آئیگی۔ جب تک میری اہل بیت سے ایک شخص مالک ہو جائے جو بلند پیشانی اور ستواں ناک والا ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دیگا جیسی کہ ظلم سے بھری ہوگی۔ سات سال زندہ رہیگا۔

اور ابوداود نے اس طرح روایت کی ہے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهُ اِسْمِيْ وَاِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمَ اَبِيْ۔

اگر بالفرض دنیا ختم ہونے کو ایک ہی دن باقی رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن ہی کو یہاں تک دراز فرمادے گا، کہ میری اہل بیت سے ایک شخص مبعوث ہو جائے جس کا نام میرے نام کے اور اسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا

ان احادیث کے الفاظ لَا يَذْهَبُ الدُّنْيَا اور لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ وغیرہ سے ضرور بعثت ثابت ہوتی ہے، اور خصوصاً ابوداود کی روایت،

کے الفاظ "تعول اللہ ذٰلِکَ الیوم" ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام پر دلیل محکم ہیں،

چہارم یہ کہ ظہور مہدی علیہ السلام سے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں وہ منجملۂ مغیبات ہیں۔ جن کا وقوع ضروری ہی چنانچہ اسی قسم کے جسقدر اخبار مغیب یا پیشین گوئیاں حضرت رسول اللہ صلعم سے مروی ہیں۔ ان کی نسبت اہل سنت بلکہ قریبًا تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ ان کا ظہور ضروری ہے، ان میں سے بعض پیشین گوئیاں پوری ہوگئی ہیں اور جو پوری نہیں ہوئی ہیں۔ وہ بھی ضرور ہوں گی، ورنہ اخبار معصوم میں نسخ لازم آے گا، اور جمہور علماء کے پاس اخبار معصوم میں نسخ جایز نہیں ہے۔

پس اسی طرح مہدی علیہ السلام کے ظہور کے اخبار بھی خبر مغیب ہیں اور ان کا بھی پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اخبار معصوم میں نسخ لازم آے گا، اِن تمام وجوہ سے ثابت ہی کہ ظہور مہدی علیہ السلام ضروریات دین سے ہی۔ اور ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی تصدیق مہدی علیہ السلام فرض ہوگی، اور چونکہ ضروریات دین کا انکار کفر ہے، چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

مُخَالِفُ الْحَقِّ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ لَيْسَ بِكَافِرٍ مَالَمْ يُخَالِفْ مَاهُوَ مِنْ ضَرُورِيَّاتِ الدِّيْنِ	مخالفِ حق اہل قبلہ جب تک ضروریات دین کا انکار نہ کرے، کافر نہ ہوگا۔

پس مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروریاتِ دین سے ہونے کی وجہ سے آپ کا انکار کفر ہوگا۔

ثالثًا یہ کہ مہدی علیہ السلام کی تصدیق فرض اور انکار کفر ہونے کی، نسبت ایک اور طرح سے بھی بحث ہوسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ احادیث متواتر المعنی سے وجود مہدی علیہ السلام ثابت ہے۔ چنانچہ صاحب اشاعہ حافظ ابن قیم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ عَنِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذِکْرِ الْمَھْدِیِّ وَاِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ

مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے اہل بیت رسول سے ہونے کے بارے میں احادیث متواتر المعنیٰ وارد ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ کے باب" اشراط الساعۃ میں لکھتے ہیں، جو پہلے لکھا گیا ہے کہ

قَدْ تَظَاھَرَتِ الْاَحَادِیْثُ الْبَالِغَۃُ حَدَّ التَّوَاتُرِ مَعْنًا فِیْ کَوْنِ الْمَھْدِیِّ مِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ

~~اس کا بھی یہ مطلب ہے~~ کہ مہدی علیہ السلام کے اہل بیت رسول صلعم سے ہونے کی، نسبت احادیث متواتر المعنیٰ پائے جاتے ہیں۔

نیز اشاعہ فی اشراط الساعۃ میں لکھا ہے، کہ

اِنَّ اَحَادِیْثَ وُجُوْدِ الْمَھْدِیِّ وَخُرُوْجِہٖ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ، وَاِنَّہٗ مِنْ عِتْرَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

مہدی علیہ السلام کے وجود اور آپ کے آخر زمانے میں پیدا ہونے اور آپ کے عترت رسول یعنے اولاد فاطمہ سے ہونے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ بَلَغَتْ حَدَّ التَّوَاتُرِ الْمَعْنَوِیِّ فَلَا مَعْنیٰ لِاِنْکَارِھَا وَمِنْ ثَمَّ وَرَدَ مَنْ کَذَّبَ بِالدَّجَّالِ فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ کَذَّبَ بِالْمَھْدِیِّ فَقَدْ کَفَرَ رَوَاہُ اَبُوْبَکْرِ الْاِسْکَافُ فِیْ فَوَائِدِ الْاَخْبَارِ وَاَبُو الْقَاسِمِ السُّھَیْلِیُّ فِیْ شَرْحِ السِّیْرَۃِ۔

کی نسبت احادیث حد تواتر معنوی کو پہنچ گئے ہیں جن کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اسی لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ جس نے دجال کا انکار کیا وہ کافر ہے اور جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہے اس حدیث کو ابوبکر اسکاف نے فوائد الاخبار میں اور ابوالقاسم سہیلی نے اپنی شرح سیرۃ میں روایت کیا ہے

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے اور یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ جو امر احادیث سے تواتراً ثابت ہو خواہ وہ متواتر اللفظ ہوں یا متواتر المعنی اس کا انکار کفر ہے چنانچہ کتب کلام و فقہ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج۔ عذاب قبر، مسح خفین وغیرہ ایسے امور ہیں کہ احادیث متواتر المعنی ہی سے ثابت ہیں اور ان کا انکار اہل سنت کے پاس موجب کفر ہے۔

پس اسی طرح ظہور مہدی موعود علیہ السلام بھی ایسی احادیث سے ثابت ہے جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اس لئے انکار مہدی احادیث متواترہ کا انکار ہونے کی وجہ سے ضرور موجب کفر ہے۔

اس بحث کے بعد مضمون نگار صاحب نے مہدویہ پر تمام لوگوں کو

کافر کہنے کا اعتراض کیا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی مہدویہ سے مخصوص نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا میں وہ کون اہل مذاہب ہیں جو اپنے مخالف مذہب پر اس طرح کے احکام نہیں جاری کرتے کیا مسلمان ان کروڑوں آدمیوں کو جنہوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا ہے قطعاً کافر نہیں جانتے ہیں؟

وہ تمام اہل کتاب بھی جو حضرت رسول اللہ صلعم سے پہلے کے تمام انبیاء اور پہلی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے قائل نہیں ہیں مسلمانوں کے پاس ضرور کافر ہیں گویا مسلمان دنیا بھر کے ادیان کے کروڑوں پیروں کو جو اسلام سے نہ صرف بے بہرہ بلکہ بے خبر بھی ہیں کافر جاننے کا حق رکھتے ہیں خاص مسلمانوں کے بھی تہتر فرقے ہونا حدیث سے ثابت ہے چنانچہ ابن ماجہ نے عوف بن مالک سے روایت کی ہے۔

اِفْتَرَقَتِ الْیَهُودُ عَلٰی اِحْدٰی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَافْتَرَقَتِ النَّصَارٰی عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً فَاِحْدٰی وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَتَفْتَرِقَنَّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود (۷۱) فرقوں پر منقسم ہو گئے جن میں سے (۷۰) دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ نصاریٰ کے ۷۲ فرقے ہو گئے (۷۱) دوزخی اور ایک فرقہ جنتی ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے

اُمّتی علٰی ثلٰث وسبعین فرقۃ واحدۃ فی الجنۃ وثنتان وسبعون فی النار۔	میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور باقی بہتر (۷۲) فرقے اہل دوزخ سے ہونگے

پس مخبر صادق کی اس پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے جتنے کثیر التعداد فرقے آج پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنے والے دوسرے فرقوں پر جو جو اطلاقات کرتا ہے اس کی تفصیل تو موجب طوالت ہے۔ ان اسلامی فرقوں میں صرف ایک فرقہ اہل سنت والجماعت کو دیکھو وہ اپنے معتقدات کے خلاف جس فرقے میں کوئی بات پاتا ہے بے تامل اس پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے مثلاً معتزلہ کا قول ہے کہ خدائے تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی محال ہے اور آخرت میں بھی۔ اہل سنت دنیا میں ممکن اور آخرت میں مومنین کے لئے ضروری ہونے کے قائل ہیں اس لئے وہ صاف حکم کرتے ہیں کہ

یکفر بانکار رویۃ اللہ بعد دخول الجنۃ (عالمگیریہ)	جو شخص دخول جنت کے بعد خدا کے دیدار کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اسی پر موقوف نہیں بلکہ اہل سنت کے پاس اس قسم کے کئی مسئلہ کی مخالفت پر کس قدر کشادہ پیشانی سے کفر کا اطلاق کیا گیا ہے ان کی چند مثالیں غور و انصاف کے لئے دی جاتی ہیں چنانچہ بعض فرقے قیامت کے اور بعض جنت و دوزخ وغیرہ کے اور بعض ابدیت دوزخ کے منکر ہیں

ان سب کی تکفیر کی جاتی ہے کہ

مَنْ اَنْکَرَ الْقِیَامَۃَ وَالْجَنَّۃَ وَالنَّارَ وَالْمِیْزَانَ وَالصِّرَاطَ وَالصَّحَائِفَ الْمَکْتُوْبَۃَ فِیْھَا اَعْمَالُ الْعِبَادِ یَکْفُرُ وَلَوْ اَنْکَرَ الْبَعْثَ کَذٰلِکَ۔

جس نے قیامت۔ جنت۔ دوزخ۔ میزان۔ پل صراط۔ نامہ اعمال اور بعث وحشر کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اور لکھا ہے کہ

یَکْفُرُ بِاِنْکَارِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَحَشْرِ بَنِیْ اٰدَمَ

جو شخص عذاب قبر اور یوم قیامت بنی آدم کے حشر ونشر جسمانی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر سنئے

مَنْ اَنْکَرَ اِمَامَۃَ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَھُوَ کَافِرٌ عَلٰی قَوْلِ بَعْضِھِمْ وَقَالَ بَعْضُھُمْ ھُوَ مُبْتَدِعٌ وَلَیْسَ بِکَافِرٍ وَالصَّحِیْحُ اَنَّہٗ کَافِرٌ وَکَذٰلِکَ مَنْ اَنْکَرَ خِلَافَۃَ عُمَرَ رض فِیْ اَصَحِّ الْاَقْوَالِ (عالمگیریہ)

حضرت ابوبکر رض کی امامت کا منکر بعض کے پاس کافر ہے۔ اور بعض اس کو مبتدع کہتے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرنیوالا بھی کافر ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی نہ صرف امامت و خلافت کا منکر کافر ہے بلکہ ان حضرات کو گالی دینے والے پر بھی کفر کا اطلاق کیا گیا ہے دیکھو فتاوی مذکور۔

پس ان تمام احکام و اطلاقات کفر سے ثابت ہے کہ تمام غیر مسلم

فرقے اسلام سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اور بعض سے اسلامی فرقے ان امور میں سے کسی نہ کسی کے ارتکاب کی وجہ سے کافر ہیں۔

اب معترض صاحب فرمائیں کہ کفر کا دائرہ کس قدر وسیع ہے اور اس کی کس قدر ارزانی ہے۔

زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی مشاجرات و منازعات کو چھوڑئیے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے تابعین کا متفقہ اعتقاد ہے کہ

اَلْحَقُّ دَائِرٌ بَیْنَ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ | چاروں اماموں میں حق دائر و سائر ہے۔

لیکن اس کے باوجود ائمہ کے متبعین میں لعن و تکفیر کا سلسلہ جاری ہے چنانچہ صاحب در المختار نے امام اعظمؒ کی مدح میں ابن المبارک سے چند اشعار نقل کئے ہیں از انجملہ یک شعر یہ ہے۔

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ ؛ | عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَه

یعنے جو شخص ابو حنیفہ کا قول رد کرے اس پر ریت کے کنکریوں کے برابر لعنت ہے۔

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ لعنت کس قدر مقبوح و ممنوع شئے ہے خود حنفیہ کے نزدیک یزید و حجاج پر بھی لعنت جائز نہیں چہ جائیکہ ابن مبارک کا یہ قول ان تمام مجتہدین کرام اور محدثین عظام کو ملعون بنا دیتا ہے جنہوں نے امام اعظم کے قول کی تردید کی ہے۔

اس کے مقابل حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے جو حنبلی المذہب ہیں امام اعظمؒ کے پیروں کو فرقہ مرجیہ میں جو شمار

کیا ہے وہ کس قدر استعجاب کے قابل ہے۔ کیونکہ مرجیہ کی نسبت احادیث میں آیا ہے کہ:

صِنفَانِ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ لَيْسَ لَهُمَا نَصِيبٌ فِي الْاِسْلَامِ اَلْمُرجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔	یعنے امت محمدیہ میں دو فرقے مرجیہ اور قدریہ ایسے ہیں جن کو اسلام سے کوئی بہرہ نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت غوث اعظم کی عبارت یہ ہے

وَاَمَّا الْمُرجِئَةُ فَفِرَقُهَا اِثْنَا عَشَرَ فِرْقَةً اَلْجَهْمِيَّةُ وَالصَّالِحِيَّةُ وَالشِّمْرِيَّةُ وَالْيُونُسِيَّةُ وَالْيُونَانِيَّةُ وَالنَّجَّارِيَّةُ وَالْغَيْلَانِيَّةُ وَالشَّبِيبِيَّةُ وَالْحَنَفِيَّةُ وَالْمُعَاذِيَّةُ وَالْمَرِيسِيَّةُ وَالْكَرَّامِيَّةُ۔۔۔ وَاَمَّا الْحَنَفِيَّةُ فَهُمْ بَعْضُ اَصْحَابِ اَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ زَعَمُوا	یعنے مرجیہ کے بھی بارہ فرقے ہیں جہمیہ صالحیہ۔ شمریہ۔ یونسیہ۔ یونانیہ۔ نجاریہ غیلانیہ۔ شبیبیہ۔ حنفیہ۔ معاذیہ۔ مریسیہ کرامیہ۔۔۔ وہ حنفیہ جو حنفیہ نعمان بن ثابت کے بعض پیرو ہیں۔

ہم معترض صاحب سے پوچھتے ہیں جن کی طرف ہمارا خاص روئے سخن ہے کہ جس نظریہ کے تحت مہدویہ پر اعتراض کیا گیا ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ان احکامات کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں ورنہ ہمارے پاس تو ان بزرگان دین کے اس قسم کے احکامات حبًا للّٰہ و بغضًا للّٰہ کے اصول پر مبنی ہیں اور ان ائمہ کی اسفع و ذم شخصیت ذاتیات اور اتباع ہوا و

ہوس کے غبار سے مبرا و بری ہے اور ان احکامات کی توجیہات بھی ہوسکتی ہیں
مگر اسکے ساتھ ہی معترض صاحب کو یہ ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ مہدویہ بھی جو کچھ
کہتے ہیں وہ باتباع حکم شارع کہتے ہیں۔ اور جو توجیہات ان اطلاقات کفر
کی ہوسکتی ہیں اُن سے احسن توجیہات مہدویہ کے پاس موجود ہیں۔ صرف مدارج
کفر کے خلط ملط کردینے سے یہ مسئلہ معترض صاحب کو مغالطہ میں ڈال رہا ہے

(۲) مضمون نگار صاحب نے اس نمبر کے تحت چند امور کو
مہدویہ کے عقاید بتلایا ہے جن کو اپنے زعم میں عقایدِ اہل سنت
کے خلاف سمجھا ہے۔ چنانچہ ذیل میں اُن کو نقل کرکے ہر ایک
اعتراض پر تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ سید محمد صاحب خلفائے
راشدین سے بلحاظ فضائل بلند مرتبہ رکھتے ہیں؟ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ
سید محمد جونپوری قولاً و فعلاً معصوم تھے اور نیز یہ کہ بلحاظ مرتبہ وہ رسول صلعم
کے برابر تھے کیا آپ کی کتابوں میں یہ روایت نہیں پائی جاتی ہے کہ تمام انبیا
ناقص الاسلام تھے اور اس نقص کی تفصیل اسطرح نہیں بیان کیگئی ہے کہ حضرت آدم
سر سے ناک تک مسلمان تھے۔ نوح سر سے حلق تک ابراہیم و موسیٰ سینہ تک
اور عیسیٰ زیر ناف تک مسلمان تھے اگر یہ صحیح ہے تو کیا آپ بتا سکتے ہیں
کہ اہل سنت میں وہ کونسی جماعت ہے جو ان عقاید کی ماننے والی ہے؟ اگر
آج بھی آپ علماء اہل سنت سے استفسار کریں تو بالاتفاق سب کیطرف
سے یہی جواب ملے گا کہ ان عقاید کا پیرو کافر و بیدین ہے"

ان اعتراضات میں وہی مغالطہ دینے والا پہلو اختیار کیا گیا ہے کہ منصب سے بالکل قطع نظر کر کے ذاتی حیثیت سے بحث کی گئی ہے یا اہل باطن کی اصطلاحات یا مسائل کو اہل ظاہر کی سطحی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اگر اس کے عوض یہ سوال کیا جائے کہ "کیا مہدی علیہ السلام کی ذات خلفاء راشدین سے افضل اور معصوم عن الخطا ہے اور محققین صوفیائے کرام کے اصول پر سلمانی کے حقیقی معنی کیا ہیں"؟ تو سہولت سے اس امر کا تصفیہ ہو جاتا ہے کہ ان عقاید یا مسائل کے اہل سنت بھی قائل ہیں یا نہیں مثلاً خلفاء راشدین سے افضلیت ہی کے مسئلہ کی حقیقت پر غور کرو کہ یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے۔ سب سے پہلے یہی کہ جب مضمون نگار صاحب نے رسول و مہدی کی تسویت کے مسئلہ پر ایک مستقل اعتراض کیا ہے جس کی تفصیلی بحث اُس کے موقع پر کی جائے گی تو پھر خلفائے راشدین پر افضلیت کا اعتراض محض زاید ہے۔ کیونکہ جو رسول اللہ صلعم کے مشابہ و مماثل ہوگا وہ لازماً خلفاے راشدین سے بلند مرتبہ ہوگا۔ اس سے قطع نظر اہل سنت کے چند مسلمہ امور پر غور کرنے سے بھی اول نظر میں اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ مہدی علیہ السلام خلفا سے افضل ہیں یا نہیں؟

اوّل یہ کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں چنانچہ حاکم اور ابو نعیم نے ثوبانؓ سے جو حدیث روایت کی ہے کہ ثُمَّ يَجِيءُ خَلِيفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ فَأْتُوهُ فَبَايِعُوهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ

خَلِیفَۃُ اللّٰہِ المَہدِی۔ اس حدیث سے مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا ثابت ہے۔ اور خلفاء راشدین خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ ہیں۔ پس خلیفۃ اللہ خلیفۂ رسول اللہ سے افضل ہوئے

دوم یہ کہ مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہیں کیونکہ عصمت لازمۂ خلافت الٰہیہ ہے (جس کی مستقل بحث عصمت کے تحت بعد میں کی جائیگی) چنانچہ حدیث "المَہدِی مِنّی یَقفُو اَثَرِی وَلَا یُخطِی" اس پر شاہد ہے۔ اور خلفاء راشدین اہل سنت کے پاس معصوم عن الخطا نہیں ہیں پس معصوم غیر معصوم سے افضل ہوئے۔

سوم یہ کہ مہدی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہلاکت امت ہیں چنانچہ یہ بات اس حدیث سے ثابت ہے جو مسند امام احمد حنبلؒ وغیرہ کتب حدیث کے حوالے سے پہلے لکھی گئی ہے کہ

لَن تَھلِكَ اُمّۃٌ اَنَا فِی اَوَّلِھَا	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ وہ امت [illegible]
وَعِیسٰی بنُ مَریَمَ فِی اٰخِرِھَا	[illegible]
وَالمَہدِیُ فِی وَسَطِھَا	اور عیسیٰ بن مریم آخر میں ہیں اور مہدی اس کے وسط میں ہیں۔

اور خلفاء راشدین کی نسبت دافع ہلاکت امت ہونے کی تصریح شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے پس جو دافع ہلاکت نہیں ہیں۔ اُن سے دافع ہلاکت امت افضل ہوا [illegible]

چہارم یہ کہ مہدی علیہ السلام کا وجود [illegible] ثابت نہیں ہے

یہاں تک کہ حسب فرمانِ رسول اللہ صلعم قیامت اس وقت تک قایم نہ ہو گی جب تک مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہو جائے چنانچہ ابو داؤد کی حدیث لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا یَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ الْیَوْمَ حَتّٰی یَبْعَثَ رَجُلًا مِنْ اَھْلِ بَیْتِی الحدیث مہدی علیہ السلام کی ضرورتِ بعثت پر صریح دلالت کرتی ہے۔ اور خلفاء راشدین کا وجود ضروریاتِ دین سے ہونے کی کوئی تصریح نہیں ہے غرض اسی قسم کی کئی وجوہ و خصوصیات ہیں جو مہدی موعود سے مخصوص ہیں۔ اور خلفائے راشدین میں وہ نہیں پائی جاتیں۔

ان وجوہ کے علاوہ بعض اکابرینِ امت سے اس کی تصریح بھی ملتی ہے کہ مہدی علیہ السلام خلفاء راشدین سے افضل ہیں چنانچہ صاحب عقد الدرر نے عوف بن منبہ رح سے روایت کی ہے کہ

یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِیْفَۃٌ لَا یَفْضُلُ عَلَیْہِ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ اَخْرَجَہُ الْاِمَامُ الدَّارَانِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ۔

آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہو گا جو ابو بکر و عمر سے بھی افضل ہو گا۔ امام دارانی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔"

نیز اسی کتاب میں ابن سیرین رح سے روایت ہے کہ

عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ قِیْلَ لَہٗ اَلْمَھْدِیُّ خَیْرٌ اَمْ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ قَالَ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْھُمَا وَ یَعْدِلُ نَبِیًّا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ

ابن سیرین سے پوچھا گیا کہ مہدی افضل ہیں یا ابو بکر و عمر؟ فرمایا کہ مہدی ابو بکر و عمر سے افضل اور حضرت رسول اللہ

عَنْہُ اَنَّہٗ ذَکَرَ فِتَنًا فَقَالَ اِذَا کَانَ فَاحْبِسُوْا فِیْ بُیُوْتِھِمْ حَتّٰی تَسْمَعُوْا عَلَی النَّاسِ بِخَیْرٍ مِّنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ قِیْلَ اَھُوَ خَیْرٌ مِّنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ قَالَ قَدْ کَانَ یُفَضَّلُ عَلٰی بَعْضِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اَخْرَجَہُ الْحَافِظُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ نُعَیْمُ بْنُ حَمَّادٍ فِیْ کِتَابِ الْفِتَنِ۔

کے مساوی ہوں گے دوسری روایت میں ہے کہ ابن سیرین نے بعض فتنوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اُس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو یہاں تک کہ تم یہ سُن لو کہ اُس کا ظہور ہوگیا جو ابوبکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہے لوگوں نے کہا کیا ابوبکر و عمر سے بہتر ہوگا تو کہا بلکہ بعض انبیا پر بھی اسکو فضیلت ہوگی حافظ ابو نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں روایت کی ہے

اور ملا علی قاری نے رسالہ مہدی میں حدیث ثوبانؓ کے تحت لکھا ہے کہ۔

وَرُبَّمَا یَکُوْنُ الْمَھْدِیُّ اَفْضَلَ مِنَ الصِّدِّیْقِ مِنْ ھٰذِہِ الْحَیْثِیَّۃِ۔

اس (خلافت الٰہیہ کی) حیثیت سے مہدیؑ صدیقؓ سے افضل ہونگے۔

برزنجی نے "اشاعۃ فی اشراط الساعۃ" میں لکھا ہے کہ

وَقَدْ مَرَّ عَنِ الشَّیْخِ فِی الْفُتُوْحَاتِ اَنَّہٗ مَعْصُوْمٌ فِیْ حُکْمِہٖ مُقْتَفٍ اَثَرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُخْطِیْ اَبَدًا وَلَا شَکَّ اَنَّ ھٰذَا لَمْ یَکُنْ فِی الشَّیْخَیْنِ وَاَنَّ الْاُمُوْرَ

شیخ کا یہ قول پہلے ذکر کیا گیا ہے جو فتوحات میں ہے کہ مہدیؑ اپنے حکم میں معصوم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کرنیوالے ہیں اور کبھی خطا نہیں کریں گے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات شیخینؓ میں نہیں ہے۔

التِّسْعَةُ الَّتِي مَرَّتْ لَمْ يَجْتَمِعْ كُلُّهَا فِي اِمَامٍ مِنَ الْاَئِمَّةِ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ فَمِنْ هٰذِهِ الْجِهَاتِ يَجُوْزُ تَفْضِيْلُهٗ عَلَيْهِمَا وَاِنْ كَانَ لَهُمَا فَضْلُ الصُّحْبَةِ وَمُشَاهَدَةِ الْوَحْيِ وَالسَّابِقَةِ وَغَيْرُ ذَالِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ الشَّيْخُ عَلِي الْقَارِيْ فِي الْمَشْرَبِ الْوَرْدِيْ فِي مَذْهَبِ الْمَهْدِيْ وَمَا يَدُلُّ عَلٰى تَفْضِيْلِهٖ اَنَّهٗ صلعم سَمَّاهُ خَلِيْفَةَ اللّٰهِ وَاَبُوْبَكْرٍ لَا يُقَالُ لَهٗ اِلَّا خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ	اور وہ نوامور جن کا بیان پہلے گزرا ہے مہدیؑ سے پہلے کسی امام میں جمع نہیں ہیں ان وجوہ سے مہدیؑ کی فضیلت شیخینؓ پر جائز ہے اگرچہ شیخینؓ کے لئے صحبتِ آنحضرتؐ اور مشاہدۂ وحی اور سبقت وغیرہ کی فضیلت حاصل ہے واللہ اعلم شیخ علی القاری نے المشرب الوردی فی مذہب المہدیؑ میں کہا ہے کہ مہدیؑ کی فضیلت پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مہدیؑ کو خلیفۃ اللہ کہا ہے اور ابوبکرؓ کو خلیفۂ رسول اللہ ہی کہا جاتا ہے

اب معترض صاحب فرمائیں کہ خلفائے راشدین پر مہدی علیہ السلام کی تفضیلت کا مسئلہ صرف مہدویہ سے خاص ہے یا خود اکابرینِ امت اور علمائے اہلِ سنت بھی اس کے قائل ہیں۔

مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ محمد سید جونپوری قولاً و فعلاً معصوم تھے؟"

مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو مہدویہ سے مخصوص نہیں بلکہ خود اہلِ سنت بھی اس کے قائل ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے متعلق علمِ کلام میں یہ عقلی بحث کی جاتی ہے۔ کہ جب آپ خلافتِ الٰہیہ سے

متصف ہیں تو آپ کا معصوم عن الخطا ہونا واجب ہے ورنہ جو احکام آپ خلافت الٰہیہ کی جہت سے بیان فرمائیں گے وہ خطا و صواب کے محتمل ہونگے اس صورت میں آپ کے احکام و اوامر سے امان اُٹھ جائے گا۔ اور اُن کا تسلیم کرنا عقلاً جائز نہ ہوگا پس خلافت الٰہیہ کی جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا ضروری ہے بعینہ یہی توجیہ عقلی مہدی علیہ السلام کی معصومیت پر بھی منطبق ہو سکتی ہے۔

دلیل نقلی یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کی معصومیت پر اکابرین اہل سنت نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

اَلْمَهْدِیُ مِنِّیْ یَقْفُوْا اَثَرِیْ وَلَا یُخْطِئْ۔	مہدی میری اولاد سے ہوں گے وہ میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔

چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب (۳۶۶) میں لکھا ہے۔

مَا نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) عَلٰی اِمَامٍ مِنْ اَئِمَّۃِ الدِّیْنِ یَکُوْنُ بَعْدَہٗ یَرِثُہٗ وَیَقْفُوْ اَثَرَہٗ وَلَا یُخْطِیْ اِلَّا الْمَهْدِیِ خَاصَّۃً فَقَدْ شَہِدَ بِعِصْمَتِہٖ فِیْ اَحْکَامِہٖ کَمَا شَہِدَ الدَّلِیْلُ الْعَقْلِیُّ بِعِصْمَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ	یعنے رسول صلعم نے ائمہ دین میں سے کسی امام کی نسبت یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میرے بعد وہ میرا وارث ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا مگر یہ بات خاص مہدی علیہ السلام کی شان میں فرمائی ہے۔

میں اپنے احکام میں مہدی علیہ السلام کے معصوم ہونے کی رسول اللہ صلعم نے شہادت دی ہے جس طرح دلیل عقلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کی شاہد ہے۔"

اور پھر لکھتے ہیں کہ:۔

قَدْ اَخْبَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْمَھْدِیِّ اَنَّہٗ لَا یُخْطِئُ وَجَعَلَہٗ مُلْحَقًا بِالْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ ذَالِکَ الْحُکْمِ	رسول اللہؐ نے مہدی علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے کہ آپ خطا نہ کریں گے اور اس صفت عصمت میں رسول اللہ نے مہدیؑ کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملحق فرمایا ہے۔

علامہ طحطاوی حاشیہ در المختار میں لکھتے ہیں کہ۔

اَلْمَھْدِیُّ لَیْسَ بِمُجْتَھِدٍ اِذَا الْمُجْتَھِدُ یَحْکُمُ بِالْقِیَاسِ وَھُوَ یَحْرُمُ عَلَیْہِ الْقِیَاسُ وَلِاَنَّ الْمُجْتَھِدَ یُخْطِیْ وَھُوَ لَا یُخْطِیْ قَطُّ فَاِنَّہٗ مَعْصُوْمٌ فِیْ اَحْکَامِہٖ بِشَھَادَۃِ النَّبِیِّ وَھُوَ مَبْنِیٌّ عَلٰی عَدَمِ جَوَازِ الْاِجْتِھَادِ فِیْ حَقِّ الْاَنْبِیَاءِ (مقدمہ)	مہدی علیہ السلام مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد قیاس سے حکم کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام پر قیاس سے حکم کرنا حرام ہے اور اس وجہ سے بھی مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں کہ مجتہد تو خطا بھی کرتا ہے اور مہدیؑ کبھی خطا نہیں کرینگے کیونکہ مہدیؑ حسب فرمان رسول اللہ صلعم اپنے احکام میں معصوم ہیں اور یہ پیغمبروں کے حق میں اجتہاد جائز نہ ہونے پر مبنی ہے۔

ملا معین الدین نے دراسات اللبیب میں لکھا ہے کہ:۔

اِنَّ عَدَمَ صُدُوْرِ الْخَطَاءِ	مہدی علیہ السلام سے خطا کا صادر نہ ہونا

من المهدي عليه السلام ليس
بمجرد اعتقاد الحفظ فيه كسائر
الاولياء مع جواز صدوره
عنه بل لورود النص الصحيح فيه
خاصة بالاخبار عن عدم خطائه
فصدوره عنه مستحيل لضرورة
صدق المخبر صلى الله عليه وسلم
فالفرق بينه وبين الرسول ان
الرسول صلى الله عليه وسلم
قام على عصمته الدليل العقلي و
المهدي قام على عصمته شهادة
المعصوم عن الخطاء عقلا فاشتركا
في استحالة الخطاء وامتناع
صدوره عنهما اما عقلا او
خبرا ونقلا وما مستند
استحالة النقل الا استحالة العقل
ومثل هذا لا يوجد في غيره من الاولياء

دوسرے اولیاء اللہ کی طرح آپ کے محفوظ
عن الخطا ہونیکے محض اعتقاد پر مبنی نہیں ہے
بلکہ آپ کے خطا نہ کرنیکی نسبت خاص طور سے
پر نص صحیح وارد ہے پس مہدی علیہ السلام
خطا صادر ہونا اس وجہ سے محال ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خبر میں صادق ہونا
ضروری ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
مہدی علیہ السلام میں یہ فرق ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر
دلیل عقلی قائم ہے اور مہدی علیہ السلام کی
عصمت ایک معصوم عن الخطا (رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت سے ثابت ہے
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہدی اس
صفت میں مشترک ہیں کہ ان دونوں سے خطا
صادر ہونا عقلاً و خبراً و نقلاً محال و ممتنع ہے
اور محال نقلی کا مدار محال عقلی پر ہے اور یہ بات
آپکے سوا دوسرے اولیاء اللہ میں نہیں پائی جاتی

بحر العلوم مولانا عبد العلی ملک العلماء نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے

وتكون قول الامام المهدي الموعود
حجة يخطي مخالفه۔

امام مہدی موعود کا قول حجت ہے جو
آپکی مخالفت کرے وہ برسر خطا ہے۔

ان اقوال و دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا اکابرین اہل سنت کا مسلمہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان صداقت نشان کے بعد کہ المھدی منی یقفو اثری ولا یخطی کونسا مسلمان ہے جو مہدی علیہ السلام کی عصمت سے انکار کر سکتا ہے لیکن کس قدر تعجب ہے کہ مضمون نگار صاحب نے اس اعتقاد کو مہدویہ سے مخصوص اور اہل سنت کے خلاف سمجھا ہے جو ان کی قلت علم اور نیز اہل سنت کے مسلمات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مضمون نگار صاحب نے مہدویہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ

مہدویہ سید محمد جونپوری کو رسول اللہ صلعم کے برابر مانتے

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مہدویہ کے پاس حضرت سید محمد جونپوری کا مہدی موعود ہونا ثابت ہے اس لئے آپ کے مہدی موعود اور خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیاء ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں پس مہدی موعود یا خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیاء کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو نسبتیں حاصل ہیں یا اہل سنت کے دونوں گروہ متکلمین اور محققین اپنے اپنے اصول کے مطابق جو نسبتیں قائم کرتے ہیں مہدویہ کا اعتقاد اس سے مغایر نہیں ہے صرف تعبیرات کا کچھ

فرق ہو تو ہو. کیونکہ ایسے ادق مسائل یا کمالات قدسیہ کے بیان کرنے میں جو عوام کی سمجھ سے اعلیٰ ہوتے ہیں عموماً تعبیرات ہی سے کام لیا جاتا ہے. چنانچہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مہدی علیہ السلام میں جو نسبتیں پائی جاتی ہیں اُنکی بھی مختلف تعبیرات کی گئی ہیں. کسی نے مماثلت و مشابہت سے اور کسی نے مظہریت سے اور کسی نے نسبتِ تامّہ سے اور کسی نے اتّصاف بالاوصاف سے تعبیر کیا ہے. تسویت بھی انہی نسبتوں کی ایک تعبیر ہے.

متکلمین اور محققین میں اپنے اپنے اصول کے نظر کرتے ان نسبتوں یا حیثیتوں کے متعیّن اور بیان کرنے میں جو اختلاف ہے اس کے لحاظ سے اس مسئلہ کے بھی دو حصّے ہو جاتے ہیں. یہاں سب سے پہلے تمہید کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر و مماثل کے امکان عقلی و نقلی کی بحث کی جاتی ہے اس کے بعد وہ وجوہ بیان کیے جائینگے جو متکلمین کے اصول پر اس مسئلہ سے تعلق رکھتے ہیں. اور بعد میں محققین کے اقوال نقل کیے جائیں گے جن سے اُن کے اصول پر اس مسئلہ کی توضیح ہو سکے گی.

امکانِ عقلی کی تقریر یہ ہے کہ علمِ کلام کے ضوابط کے موافق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود تین حال سے خالی نہیں ہے. واجب ہوگا یا ممکن یا ممتنع. پہلی اور تیسری صورت باطل ہے کیونکہ اگر وجودِ آنحضرت صلعم کو واجب تسلیم کیا جائے تو تعدد واجب

لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ واجب تو ایک ذات باری تعالیٰ ہی ہے پس پہلی صورت کا بطلان ثابت ہے۔

تیسری صورت کے ابطال کا بیان یہ ہے کہ اگر وجود آنحضرت صلعم ممتنع یعنے محال فرض کیا جائے تو موجود ہی نہ ہوتا حالانکہ یہاں بحث موجود میں ہے پس معلوم ہوا کہ وجود آنحضرتؐ ممتنع نہیں پس بالضرور آپ کا وجود ممکن ہوگا اور ممکن کی نظیر بھی انہی تین حال سے خالی نہیں یا ممکن ہوگی یا واجب یا ممتنع اگر نظیر ممکن واجب ہو تو نظیر کی فوقیت اصل پر اور دہی تعدد واجب لازم آئے گا۔ جو صریح البطلان ہے۔ اگر نظیر ممکن ممتنع فرض کی جائے تو یہ اس امکان ذاتی کے مبائن ہوگا۔ جو اصل ممکن میں پایا جارہا ہے کیونکہ جب اصل ممکن ہے تو اس کی نظیر ممتنع نہیں ہوسکتی۔ پس ثابت ہوا کہ نظیر ممکن ممکن ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کا پایا جانا عقلاً ممکن ہے۔

امکانِ نقلی کی یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کو حاکم۔ ابن جریر طبری۔ بیہقی۔ ابن ابی حاتم۔ ابن حجر عسقلانی۔ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ قَالَ سَبْعُ اَرَضِیْنَ فِیْ کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ وَآدَمُ کَادَمِکُمْ

اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق کہ آسمانوں کی مثل زمینیں بھی ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ زمین بھی سات ہیں ہر زمین میں

وَنُوْحٌ کَنُوْحِکُمْ وَاِبْرَاھِیْمُ کَاِبْرَاھِیْمِکُمْ وَعِیْسٰی کَعِیْسٰکُمْ	ایک نبی تمہارے نبی کے جیسا ہے ۔ اور آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ عیسیٰ تمہارے آدم

ونوح۔ ابراہیم۔ وعیسیٰ کے جیسے ہیں ۔

علماء اہل سنت نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر اور آپکا مشابہ ہونا ممکن ہے ۔

امکان عقلی ونقلی کی بحث کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہدی علیہ السلام کو جو نسبتیں حاصل ہیں۔ اس کی بحث متکلمین کے ان اصول کے تحت جو وہ کسی ایک مسائل کے استخراج میں اختیار کرتے ہیں کئی طرح سے ہوسکتی ہے

اولاً یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی علیہ السلام کی شان میں جو فرمایا ہے کہ المھدی منّی یقفو اثری و لا یخطی اس سے منصوص دو امر ثابت ہیں ۔

(۱) ایک مہدی علیہ السلام کا معصوم ہونا یا خطا نہ کرنا :

(۲) دوسرا حضرت رسول اللہ کے قدم بقدم چلنا یا آپ کی کامل اتباع کرنا ۔

اس حدیث سے کامل اتباع اور عدم صدور خطا میں نسبت لزوم ثابت ہورہی ہے کیونکہ معصوم کی کامل اتباع وہی کریگا جو خود بھی معصوم ہوگا یا جو معصوم ہوگا وہی معصوم کی کامل اتباع کرسکے گا ۔

پس ثابت ہوا کہ مہدی علیہ السلام معصوم ہونے کی وجہ سے

رسول اللہ صلعم کے تابع کامل یا تابع تام ہیں اور تابع تام ان خصوصیات کے علاوہ جو متبوع سے مخصوص ہوتے ہیں تمام اعمال و افعال میں اپنے متبوع کے برابر ہوتا ہے جیسے امام اور مقتدی کہ امام کی اُن خصوصیات کے علاوہ جو امام ہونے کی جہت سے اس کو حاصل ہیں مقتدی اور امام کا عمل برابر ہے لیکن وہاں اصالتہً اور یہاں تبعاً۔

یہ تو خاص عمل کے اعتبار سے ہے لیکن تبعیتِ تامہ کا مفہوم اس سے بھی عام ہے کیونکہ علماء نے تبعیت کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اوّل فعلی اس کے معنی یہ ہیں کہ ان خصوصیات کے علاوہ جو متبوع سے مخصوص ہیں تابع کا فعل متبوع کے جیسا ہو دوسری قولی یعنے تابع کا قول ہمرنگِ قولِ متبوع ہو۔ تیسری حالی وہ یہ کہ تابع کا حال متبوع کے حال کے جیسا ہو۔

پس چونکہ "یقفو اثری" کا فرمان مطلق ہے اور اسمیں کوئی تقیید نہیں ہے۔ اس لئے حسب ضابطۂ اصولیین "المطلق یجری علےٰ اطلاقہ" یعنی جو امر مطلق ہو وہ مطلق ہی رہے گا وہ تبعیت کی ان تینوں مذکورہ قسموں کو شامل ہے

پس اس حدیث کی رو سے مہدی علیہ السلام کو معصوم عن الخطا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ماننا اور آپ کا قول۔ حال اور عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و حال و عمل کے جیسا ہونا ضروری ہے ورنہ مخبر صادق کے فرمان کا خلاف لازم آئے گا۔

ثانیاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت خدا تعالیٰ

فرماتا ہے کہ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْم } محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ خلق عظیم پر ہیں

قرآن کی اس شہادت سے ہر مسلمان اس امر کا ایمان و اعتقاد رکھنے پر مجبور ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے عظیم ہیں۔ اسی طرح مہدی علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ مہدیؑ کا نام اور اخلاق میرے نام اور اخلاق کے جیسے ہونگے چنانچہ باختلاف الفاظ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن مسعودؓ اور حذیفہؓ وغیرہ سے یہ روایتیں آئی ہیں جن کی ابوداؤد۔ طبرانی اور حافظ ابونعیم نے تخریج کی ہے۔

پس حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہدی علیہ السلام کا خلق محمدیؐ سے متصف ہونا ضروری ہے اور چونکہ یہ تصریح مہدیؑ کے سوا کسی کے حق میں شارع علیہ السلام سے وارد نہیں ہے۔ اس لئے اس منقبت عظیمہ میں سوائے مہدی علیہ السلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سہیم و عدیل نہیں ہے۔

ثالثاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مثل دافع ہلاکت امت فرمایا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور حافظ ابونعیم نے ابن عباسؓ سے اور امام نسائی نے انس بن مالکؓ سے اور صاحب کنز العمال نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے (باختلاف الفاظ) جو روایت لکھی ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ

تَهْلِكَ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ آخِرُهَا وَالْمَهْدِیُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فِیْ وَسَطِهَا۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مہدی علیہ السلام کو اپنے مثل دافعِ ہلاکت قرار دیا ہے پس دافعِ ہلاکت امت ہونے میں رسولؐ و مہدی کی مماثلت ثابت ہے

رابعاً یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان جو حاکم اور ابو نعیم نے ثوبانؓ سے روایت کیا ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا ثُمَّ یَجِیْئُ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الْمَهْدِیُ الخ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور خود رسول اللہ صلعم کا خلیفۃ اللہ ہونا مسلّم ہے۔ پس خلافتِ الٰہیہ ایسی صفت ہے کہ امتِ محمدیہؐ میں سوائے مہدی علیہ السلام کے کوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس صفت سے متصف نہیں ہے۔

خامساً یہ کہ مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہیں اور آپ کی عصمت پر اکابرین اہل سنت نے حدیث شریف اَلْمَهْدِیُ مِنِّیْ یَقْفُو اَثَرِیْ وَلَا یُخْطِیْ" سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ شیخ اکبرؒ اور علامہ طحطاوی کے اقوال بحثِ عصمت میں لکھے گئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے۔ نیز ملّا معین الدّین نے دراسات اللبیب میں اسی حدیث سے مہدی علیہ السلام کے معصوم ہونے پر استدلال کر کے لکھا ہے کہ فَاشْتَرَکَا فِیْ اِسْتِحَالَۃِ الْخَطَاءِ وَ اِمْتِنَاعِ

صُدُوْرِهٖ عَنْهُمَا اِمَّا عَقْلاً اَوْ خَبَراً اَوْ نَقْلاً یعنے رسول اللہ صلعم اور مہدی علیہ السلام اس صفت میں مشترک ہیں کہ ان دونوں سے خطا کا صادر ہونا عقلاً خبراً و نقلاً محال و ممتنع ہے۔

پس ان اقوال سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اور رسول اللہ صلعم معصوم عن الخطا ہونے میں مشترک ہیں۔

متکلمین کے اصول پر چند وجوہ ذکر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محققین کے مسلک پر بھی اس مسئلہ کی وضاحت کیجائے تاکہ اہل ظاہر اور اہل باطن دونوں کو اپنے اپنے ضوابط کے موافق غور و انصاف کا موقع ملے۔

محققین صوفیا کے پاس نبی و رسول کو جو تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے اور جس سے نبی اخذ فیض کرتا ہے اس کو ولایت اور جو جہت تبلیغ احکام کی ہے اس کو نبوت کہتے ہیں۔ گویا جہت شاغل بحق ولایت ہے اور شاغل بخلق نبوت۔ ولایت صفاتِ ازلیہ سے ہے۔ کیونکہ "ولی" اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اس لئے ولایت ہمیشہ باقی ہے اور نبوت منتہی اور ختم ہو جانے والی ہے۔

جس طرح حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام انبیا کی نبوت سے زیادہ کامل اور افضل ہے اسی طرح ولایت محمدیہ بھی دوسرے تمام انبیا کی ولایت سے افضل و اعلیٰ ہے ولایت محمدی جس کو نور محمدی یا حقیقت محمدی بھی کہتے ہیں اور جو

صوفیا کے پاس مرتبۂ تعین اول ہے جو ظہور کائنات کا باعث ہے جس کی طرف اس حدیث قدسی کا اشارہ ہے کہ

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ	(محمد صلعم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔
یا	
لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ رُبُوبِيَّتِي	(محمد صلعم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

"تمام انبیا علیہم السلام اسی) نور محمدیؐ یا ولایت محمدیؐ کے مظہر ہیں ہر ایک میں بحسب قابلیت و استعداد اسی نور کا ظہور ہے چنانچہ گلشن راز میں اس کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

بود نور نبی خورشید اعظم گہ از موسیٰ پدید و گہ ز آدم

اس ولایت محمدیؐ کا جو مظہر اتم ہے اس کو صوفیا خاتم ولایت محمدیؐ یا خاتم الاولیا یا باطن خاتم الانبیا کہتے ہیں۔ جامی علیہ الرحمہ شرح فصوص میں لکھتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْحَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى حَقَايِقِ النُّبُوَّةِ وَالْوِلَايَةِ كُلِّهَا فَاحَدِيَّةُ جَمْعِ حَقَايِقِ النُّبُوَّةِ ظَاهِرُهَا وَاحَدِيَّةُ جَمْعِ حَقَايِقِ الْوِلَايَةِ بَاطِنُهَا ــــ فَالْاَوْلِيَاءُ وَالْاَنْبِيَاءُ كُلُّهُمْ مَظَاهِرُ لِحَقِيقَتِهٖ	یہ جانو کہ حقیقت محمدیہ تمام حقایق نبوت و ولایت کو شامل ہے پس احدیت جمع حقایق نبوت کا مقام اس حقیقت محمدیہ کا ظاہر ہے اور احدیت جمع حقایق ولایت اس حقیقت محمدیہ کا باطن ہے ــــ پس کل اولیا اور انبیا حقیقت محمدیہ کے مظہر ہیں

اَلْاَنْبِیَاءُ بِظَاهِرِ نُبُوَّتِہٖ وَالْاَوْلِیَاءُ	انبیاء آپ کی ظاہر نبوت کے اور اولیاء
اِبَاطِنِ وِلَایَتِہٖ وَخَاتِمُ الْاَوْلِیَاءِ	آپ کی باطن ولایت کے اور خاتم الاولیاء
مَظْهَرُ اَحَدِیَّۃِ جَمْعِہٖ لِحَقَائِقِ	آپ کی ولایت باطنہ کی احدیت الجمع کے
وَلَایَتِہِ الْبَاطِنَۃِ (نص شیعہ)	مظہر ہیں۔
ایضاً وَالْوِلَایَۃُ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدًا	ایضاً اور ولایت کبھی منقطع نہ ہوگی کیونکہ
فَاِنَّمَا مِنَ الْجِهَۃِ الَّتِیْ تَلِی الْحَقِّ	وہ اپنی اس جہت سے جو حق سبحانہ سے
سُبْحَانَہٗ وَهِیَ بَاقِیَۃٌ دَائِمَۃٌ اَبَدًا	تعلق رکھتی ہے ابدی وسرمدی باقی اور
سَرْمَدًا وَاَکْمَلُ مَظَاهِرِهَا	دائمی ہے اور اس کے مظہر اکمل
خَاتِمُ الْاَوْلِیَاءِ (۔)	خاتم الاولیاء ہیں۔

صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

نبوت را ظہور از آدم آمد — کمالش در وجود خاتم آمد
ولایت بود باقی تا سفر کرد — چو نقطہ در جہاں دور دگر کرد
ظہور کل او باشد بخاتم — بدو یابد تمامی دور عالم

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس نبوت کا کمال خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہوا۔ ولایت جو باقی تھی اس نے نقطہ کی طرح جہان میں دوسرا دور کیا اور اولیاء میں حسب قابلیت و استعداد اس کا ظہور ہوتا رہا لیکن ولایت کا کامل یا کلی ظہور خاتم الاولیاء سے ہوگا اور اسی سے دور عالم تمامیت اور کمال کو پہنچے گا کیونکہ دائرہ نقطہ آخر پر ہی تمام ہوتا ہے۔

محققین صوفیا اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام نبوت کو علی العموم بیان فرمایا لیکن احکام ولایت کی تبلیغ عام طور پر نہیں فرمائی کیونکہ زمانۂ نبوت ورسالت مانع اظہار اسرار ولایت تھا اس لئے ختم نبوت کے بعد خاتم ولایت کے ذریعہ جو باطن خاتم الانبیا ہیں جملہ اسرار ولایت ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ گلشن راز میں اسی حقیقت کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ

براول نقطہ ہم ختم آمد آخر ولایت شد بخاتم جملہ ظاہر

مفاتیح الاعجاز میں اس شعر کی شرح میں لکھا ہے۔

"ایں ولایت بسبیل اتمیّت واکملیت در نشاء کاملۂ خاتم الاولیا ظہور می یابد زیرا کہ مظہر ولایت مطلق اوست وباقی اولیا علی تفاوت مراتبہم اقتباس از مشکوٰۃ خاتم الاولیا می نمایند والبتہ مطلق شامل مقید است وایں ولایت مطلقہ باطن حضرت رسالت است در نشاء نبوت وصف رسالت مانع اظہار کمال آں بود چوں باطن آنحضرتؐ درصورت خاتم الاولیاء بروز ظہور یابد اظہار آں کمال بروجہے کہ اتم واکمل باشد بفرماید"۔

نیز "بدو یابد تمامی دور عالم" کی شرح میں لکھا ہے۔

"دورِ عالم تمام یعنے کمال تمام یابد وحقایق واسرار الٰہی در زمانِ آنحضرت تمام ظاہر شود زیرا کہ چنانچہ در دور نبوت

کمال احکام شرعیہ و اوضاع ملیہ در زمان حضرت خاتم انبیا
بظہور پیوست و ختم نبوت شد در دور ولایت نیز اسرار الٰہی و
حقایق و معارف یقینی در دور خاتم الاولیاء بکمال رسیدہ
بآنحضرت مختتم شود"

صاحب مفاتیح الاعجاز کے ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ
"ولایت بطور اکملیت و اتمیت خاتم الاولیاء سے ظہور میں آئے گی
کیونکہ خاتم الاولیا ہی ولایت مطلقہ کے جو صفت الٰہی ہے خاص مظہر
ہیں چونکہ مطلق مقید کو شامل ہوتا ہے۔ باقی اولیا بتفاوت مراتب
خاتم الاولیا ہی کی مشکوٰۃ سے اقتباس فیض کرتے ہیں۔ یہ ولایتِ مطلقہ
حضرت رسالت کا باطن ہے کیونکہ دور نبوت میں وصف رسالت کمال
ولایت کے اظہار کا مانع تھا۔ جب آنحضرت کا باطن خاتم الاولیا کی
صورت میں بروز و ظہور کریگا۔ اس ولایت کا کمال بروجہ اتم و اکمل
ظہور میں آئے گا۔

خاتم الاولیا کے زمانے میں حقایق و اسرار ولایت تمام و کمال ظاہر
ہوں گے جیسا کہ دور نبوت میں حضرت خاتم انبیا کے زمانہ میں احکام
شریعت کامل طور پر ظہور میں آئے اور نبوت ختم ہوئی اسی طرح دور ولایت
میں الٰہی اسرار اور یقینی حقائق و معارف خاتم الاولیاء کے ذریعہ کمال
کو پہنچ کر مختتم ہوں گے"

مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ شرح فصوص میں فرماتے ہیں کہ

لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ غیرمامورٍ بکشف الحقائق والاَسرار لخاتم الولایۃ بل کان مامورًا بسترھا فی الاوضاع الشرعیۃ والاحکام الوضعیۃ (فص شیثیہ)

رسول اللہ صلعم خاتم الولایۃ کی طرح حقایق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے بلکہ آپ کو مقام تشریع میں ان اسرار ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت عبدالرزاق کاشانی نے اپنی شرح فصوص میں لکھا ہے کہ

لانہ علیہ السلام مادام ظاھرًا بالشریعۃ فی مقام الرسالۃ لم تظھر ولایتہ بالاحدیۃ الجامعۃ للاسماء کلھا الی ان تم الھادی حقہ فبقیت ھذہ الحسنۃ اعنی ولایتہ باطنۃ حتی تظھر فی مظھر الخاتم للولایۃ الوارث منہ ظاھر النبوۃ وباطن الولایۃ (؍؍)

جب تک رسول علیہ السلام مقام رسالت میں شریعت کو ظاہر فرماتے رہے آپ کی ولایت احدیت ذاتیہ سے جو تمام اسماء کی جامع ہے ظاہر نہیں ہوئی کہ اسم ہادی کما حقہ پورا ہوتا۔ بس آپ کا یہ حسنہ یعنی آپ کی ولایت باطن ہی رہی یہاں تک کہ وہ خاتم ولایت کے مظہر میں ظاہر ہوگی جو آپ کی ظاہر نبوت اور باطن ولایت کے وارث ہیں۔

صوفیائے کرام کا مذہب ہے کہ خاتم ولایت یا خاتم الاولیاء حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہی کی ذات ہے علم تصوف کی مشہور کتاب تجلیات رحمانی میں تجلی ست وہفتم کے تحت میں لکھا ہے۔

"چنانچہ ختم نبوت بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است ہمچناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام باشد"

اسی طرح گلشن راز کا شعر ہے۔

ظہور کل او باشد بخاتم   بدو یابد تمامی دور عالم

صاحب مفاتیح الاعجاز اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ظہورِ کل او باشد بخاتم یعنے ظہور تمامی ولایت وکمالش بخاتم الاولیا خواہد بود چہ کمال حقیقت دائرہ در نقطۂ اخیرہ بہ ظہور می رسد وخاتم الاولیا عبارت از محمد مہدی است کہ موعودِ حضرت رسالت است علیہ الصلوٰۃ والسلام

"ایضاً بدو یابد تمامی دور عالم یعنے بخاتم الاولیا کہ عبارت از مہدی است"

عبد الرزاق کاشانی اصطلاحات الصوفیہ میں لکھتے ہیں کہ

اَلخَاتَم ھُوَ الَّذِی قطع المقامات باسْرِھَا وَبَلَغَ نِھَایَۃَ الکمال وبھذا المعنی یتعدد ویتکثر خاتم النبوۃ ھُوَ الَّذِی خَتَمَ اللہ بہ النبوۃ فَلَا یکون الا واحِداً وَھو نبینا محمدٌ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلم وَکذا خاتِمُ الولایۃِ وَھُوَ الَّذِی یَبْلغ بِہٖ

خاتم وہ ہے جس نے جملہ مقامات طے کئے ہوں اور انتہا کمال کو پہنچا ہو۔ اس معنی سے خاتم متعدد اور زیادہ ہو سکتے ہیں "خاتم نبوت" وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے پس خاتم نبوت ایک ہی ہے اور وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور "خاتم ولایت" وہ ہے جس سے دنیا آخرت

صَلاحُ الدُّنيا وَالآخِرَةِ نِهايَةَ الكَمالِ وَيختَلُّ بِموتِهِ نِظامُ العالَمِ وَهُوَ المَهدِيُّ المَوعودُ فِي آخِرِ الزَّمانِ	کی صلاح و فلاح انتہائے کمال کو پہنچ جائیگی اور جس کی موت سے نظام عالم خلل پذیر ہو جائیگا وہ مہدی موعود آخر الزماں ہیں ۔

نیز شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی کتاب عنقائے مغرب میں فرماتے ہیں کہ

وَاسْتَمْسَكُوا بِأَحادِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ حَتّى بَلَغَهُم عَنهُ أَنَّهُ ما يَنقَضِي زَمانٌ إِلّا وَ يَأتِي شَرٌّ مِنهُ وَغَفَلُوا عَنِ القَرنِ الرّابِعِ الآتِي الَّذِي هُوَ زَمَنُ المَهدِيِّ هُوَ الخاتَمُ الوَلِيُّ ۔	انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے تمسک واستدلال کیا ہے جو ان کو حضرت سے پہنچی ہے کہ زمانہ جیسے جیسے گذرتا جائیگا پہلے سے زیادہ برا آئیگا اور وہ قرن رابع کو بھول گئے جو آنیوالا ہے اور وہ مہدیؑ کا زمانہ ہے جو خاتم الولی ہے ۔

لہ بعض علماء نے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی پر یہ ایراد کیا ہے کہ آپ کے اقوال تعیّن خاتم الاولیا میں باہم مختلف ہیں مثلاً کہیں خاتم الاولیا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے نہ ہونا اور مہدی علیہ السلام کا رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہونا بتایا ہے کہیں خاتم الاولیا کا مہدی علیہ السلام سے علم میں زیادہ ہونا لکھا ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شیخ کے پاس مہدی اور ہیں خاتم الاولیا اور کہیں لکھتے ہیں کہ خاتم ولایت محمدیہ ایک عرب ہے جو اسوقت موجود ہے اور میں نے ۵۹۵ھ میں اس کو شہر فاس میں دیکھا ہے اور کہیں وہ خود اس منصب کے امیدوار نظر آتے ہیں کہیں عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم الاولیا قرار دیا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ان اقوال سے ثابت ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہیں مہدی علیہ السلام کو خاتم الاولیا لکھا ہے۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خاتم الاولیا کوئی اور شخصیت ہے بلکہ مہدی علیہ السلام کا خاتم دین ہونا جو احادیث سے ثابت ہے اسی سے خاتم ولایت یا خاتم الاولیا مستنبط ہے۔ جب خاتم دین ہونے کی بشارت حضرت مہدی علیہ السلام ہی کی شان میں وارد ہے تو خاتم الاولیا یا خاتم ولایت بھی حضرت ہی کی ذات ہو گی نہ کوئی عرب ہو سکتا ہے اور نہ خود شیخ اکبر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں نہ مدعی مہدیت ہیں نہ اولاد فاطمہ سے ہیں۔

ہماری رائے ہے کہ اگرچہ شیخ کے سب اقوال کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نہ خلیفۃ اللہ ہیں نہ معصوم لیکن آپ کے انداز بیان پر گہری نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کے اقوال ایک دریائے ذخار اور رموز و کنایات اور اصطلاحات خاص پر مبنی ہیں جن سے صحیح مطالب و معانی کا اخذ کرنا مشکل ہے۔ تاہم ان مختلف اقوال میں جو شیخ کی متعدد تالیفات جیسے فصوص۔ فتوحات مکیہ۔ عنقائے مغرب وغیرہ میں پائے جاتے ہیں باہم اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ جہاں متعدد اشخاص غیر خلفاء اللہ پر اس کا اطلاق کیا ہے وہاں خاتم کے صرف اصطلاحی معانی مراد ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا اطلاق ولایت عامہ کے اعتبار سے ہوا ہے اور مہدی علیہ السلام کو ولایت خاصہ محمدیہ کے خاتم ہونے کے لحاظ سے جو آپ کا خاص منصب ہے خاتم الاولیا یا خاتم ولایت لکھا ہے۔ اس توجیہ سے خود شیخ کے اقوال میں اور دوسرے صوفیائے کرام کے اقوال کے ساتھ شیخ کے اقوال کی تطبیق ہو سکتی ہے۔ ۱۲

خاتم الانبیاء ہیں اور خاتم ولایت یا ختم الاولیا حضرت مہدیٔ موعودؑ ہیں۔ اور یہ مسئلہ آیات واحادیث سے مطابق ہے۔

امر اول یعنے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ اس آیت سے مستنبط ہے کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔

محمد صلعم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

جمہور اہل سنت ختم نبوت کے قائل ہیں۔ کیونکہ احادیث سے بھی اس معنی کی تاکید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں چنانچہ مسلم نے ابوہریرہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ مَثَلِی وَمَثَلُ الانبیاء مِنْ قَبلی كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بُنْیَانًا فَاَحْسَنَه وَاَجْمَلَه الا موضع لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ مِنْ زَوَایَاهُ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِه وَیَعجبون لَه وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللبنة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان بنایا اور اچھا بنایا لیکن اسکے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھدی پس لوگ اسمیں آتے جاتے اور اسکو پسند کرتے اور یہ کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی رسول اللہ نے فرمایا کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

امرِ دوم کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاتم نبوت ہونے کی خبرِ صادق دی ہے اسی طرح مہدیؑ کی شان میں یہ خبر دی ہے کہ مہدی علیہ السلام کی ذات پر اللہ تعالیٰ دین کو ختم کرے گا۔ چنانچہ ابونعیم اصبہانی اور نعیم بن حماد اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمِنَّا اٰلَ مُحَمَّدٍ اَلْمَهْدِیُّ اَمْ مِنْ غَیْرِنَا فَقَالَ لَا بَلْ مِنَّا یَخْتِمُ اللّٰہُ بِہِ الدِّیْنَ کَمَا فَتَحَ بِنَا (العرف الوردی)	علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مہدی ہم آل محمدؐ سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے فرمایا نہیں بلکہ ہم سے ہوں گے خدا تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کریگا جسطرح ہم سے شروع کیا ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم دین ہیں اور یہی احادیث صوفیائے محققین کی بنائے استدلال ہیں۔ حسبِ اقوال محققین انسان کامل دو صفتوں سے متصف ہوتا ہے ایک صفت ولایت جس کے ذریعے سے وہ خدائے تعالیٰ سے بلاواسطہ استفادہ و استفاضہ کرتا ہے دوسری صفت نبوت جس کے ذریعے بواسطۂ وحی خدائے تعالیٰ کے احکام خلق کو پہنچاتا اور بندگانِ خدا کی اصلاح کرتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں صفتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور انہی دو صفتوں کے احکام یعنی احکام نبوت و ولایت کے مجموعہ کا نام دین ہے بقولِ صوفیائے کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام نبوت کو

بیان فرما دیا اور احکام ولایت کے نشر و تبلیغ کے لئے اپنے اہل بیت سے مہدی علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دی کیونکہ احکام ولایت کی تبلیغ کے بغیر دین پورا نہ ہوتا اسی وجہ سے مہدی علیہ السلام احکام ولایت محمدیہ کے خاتم ہیں۔ غرض خاتم دین ہونا مہدی علیہ السلام کے حق میں نص ہے جو مہدی ہوگا وہی خاتم دین ہوگا اور جو خاتم دین ہوگا حسب اصول محققین وہی خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیا ہوگا۔ پس مہدی علیہ السلام ہی خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیا ہیں۔

مہدویہ کا اعتقاد بھی محققین صوفیائے کرام کی اس تحقیق کے ٹھیک مطابق ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس خاتم الانبیاء والمرسلین ہے اور مہدی علیہ السلام خاتم دین یا خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیا ہیں۔ اور اس اعتقاد کی بنا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرامین پر ہے جو منتہائے دلیل ہیں جن کے ہوتے کسی اور دلیل و حجت کی حاجت نہیں۔

اس بحث کے بعد محققین صوفیا کے مشرب پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خاتم الاولیا میں جن جن اعتبارات سے جو نسبتیں پائی جاتی ہیں ان کے متعلق اصولی واستدلالی مباحث کئی طرح سے ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہاں ان اصولی مباحث سے قطع نظر کرکے بعض بدیہی امور بیان کرتے اور چند صوفیائے متقدمین کے اقوال

نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اوّل یہی ختمیت کی حیثیت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں، اور مہدی علیہ السلام خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیا۔ پس مہدی علیہ السلام رسول اللہ صلعم کی طرح صفتِ ختمیت سے موصوف اور اس صفتِ خاص میں نظیر رسول اللہ صلعم ہوئے۔ اور یہ وہ فضیلت و خصوصیت ہے جو اُمّتِ رسول اللہ میں مہدی علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔

دوم یہ کہ بعض صوفیا نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مہدی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبتِ تامّہ اور کمالِ یکتائی حاصل ہے اور یہ دونوں ذواتِ مقدسہ رحمتِ عامہ کے مظہر ہیں چنانچہ صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

چو او با خواجہ دارد نسبتِ تام ۔ ازو با ظاہر آید رحمتِ عام

مفاتیح الاعجاز میں اس شعر کی شرح میں لکھا ہے

بدانکہ نسبتِ فرزندی بر سہ نوع متحقق می شود یکے نسبتِ صلبی کہ متعارف و مشہور است۔ دوم نسبتِ تعلیم و ارشاد و تعلیم کہ نسبت دل تابع در صفاتِ دل متبوع۔ سوم نسبتِ حقیقی کہ تابع بہ برکتِ متابعت کہ بنہایت مرتبۂ کمال کہ جمع و فرق بعد الجمع است برسد تابع و متبوع یکے گردد۔ چوں خاتم الاولیا البتہ از آلِ محمد است نسبتِ صلبی

ثابت است و چوں دلِ مبارکش بہ سبب حُسنِ متابعتِ خاتم انبیا مرآۃ تجلیاتِ نامتناہی الٰہی شدہ است نسبت قلبی واقع است و چوں وارث مقام لی مع اللہ وقت گشتہ است نسبت تقوی حقیقی کہ فوق جمیع نسبتہا است تحقق یافتہ است۔ پس ہر آئینہ میانِ خاتم الولایت و خاتم النبوت علیہما الصلوٰۃ والسلام نسبت تامہ نسبت ثلاثہ است واقع باشد و بہ حقیقت خاتم الاولیا ہماں حقیقت و باطن خاتم الانبیا است، کہ در نشاء دوم بطریق بروز نہ بطریق تناسخ ظاہر گشتہ و ختم کمالاتِ ولایت و معنی فرمودہ است فلہٰذا فرمودہ از و باظاہر آید رحمتِ عام یعنے چوں بین الختمین ایں نسبت تام متحقق و ثابت است چنانچہ بمظہریت اسم رحمانی خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین گشتہ جامعِ مخالفاتِ دائرہ طرق نبوت شد خاتم الاولیا نیز بحکم الولد سر لابیہ مظہر رحمت عام کہ رحمت رحمانی مراد است گشتہ مخالفاتِ دائرہ طرقِ ولایت وہدایت را جامع گردد۔

صاحب مفاتیح الاعجاز کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ خاتم ولایت حضرت مہدی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت صلبی۔ نسبت قلبی۔ نسبت حقی

حقیقی حاصل ہیں۔ نسبت صلبی مشہور و معروف ہے
جو خلف یا آل کو اپنے سلف سے حاصل ہوتی ہے۔
نسبت قلبی یہ ہے کہ تابع کا دل حسن متابعت سے صفائی
و انجلا میں دل متبوع کے جیسا ہو جائے۔ نسبت حقی و
حقیقی یہ ہے کہ اس تعلق تبعیت کی برکت سے جو ان
دونوں میں پائی جاتی ہے تابع اُس مرتبہ کمال کو جو مقام
جمع و فرق بعد الجمع ہے پہنچ جائے اور تابع و متبوع
ایک ہو جائیں۔

چونکہ خاتم الاولیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آن اور آل سے
ہیں آپ کو حضرت سے نسبتِ صلبی حاصل ہے چونکہ
خاتم الاولیا علیہ السلام کا دل مبارک خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے اُن تجلیاتِ
نامتناہی کا آئینہ ہے جن کی حد و انتہا نہیں ہے نسبت
قلبی ثابت ہے۔

چونکہ خاتم الاولیا علیہ السلام مقام لِی مَعَ اللّٰہِ کے
وارث ہیں (جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
مقام ہے اور کسی نبی مرسل کو حاصل نہیں ہے اور جس کی
تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح
فرمائی ہے کہ لِی مَعَ اللّٰہِ وَقتٌ لَا یَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ

مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ" یعنے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ وقت حاصل ہے جس میں میرے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجایش ہے اور نہ کوئی نبی مرسل وہاں سما سکتا ہے۔ پس خاتم الاولیا کو خاص اس مقام کے وارث ہونے کی جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت حقی حقیقی متحقق ہے جو تمام نسبتوں سے برتر ہے اس لیے خاتم ولایت اور خاتم نبوت علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان نسبت تامہ واقع ہے درحقیقت خاتم الاولیا وہی خاتم الانبیا کی حقیقت اور باطن ہے جو بطریق تناسخ نہیں بلکہ بطریق بروز اس نشاۃ میں ظاہر ہوکر ولایت اور معنی کے کمالات کو ختم فرمایا ہے اسی لیے صاحب گلشن راز نے فرمایا ہے کہ "ازو با ظاہر آید رحمت عام" یعنے جب کہ خاتمین علیہما السلام میں یہ نسبت تام متحقق و ثابت ہے اس لئے جیسا خاتم الانبیا کی ذات اسم رحمانی کا مظہر ہونے کی جہت سے رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ اور محافات دائرہ طرق نبوت کی جامع ہوئی ہے ویسا ہی خاتم الاولیا کی ذات بھی بحکم اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ رحمت عام کی جس سے رحمت رحمانی مراد ہے مظہر اور محافات دائرہ طرق ولایت کی جامع ہے۔

شارح گلشن راز کے اس بیان سے صاف طور پر ثابت ہے کہ خاتم الاولیا علیہ السلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت تام اور کمال یکتائی حاصل ہے۔ خاتم الاولیا علیہ السلام خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور باطن ہیں۔ خاتم الاولیا علیہ السلام مقام لِی مَعَ اللّٰہِ کے وارث ہیں جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ خاتمین علیہما السلام میں چونکہ نسبت تام متحقق ہے خاتم انبیا کی طرح خاتم الاولیا بھی رحمت رحمانی کے مظہر ہیں۔

سوم یہ کہ محققین کے پاس خدائے تعالیٰ کی علم و معرفت کے لحاظ سے تمام عارفین کے تین مقام ہیں ایک تو وہ ہیں جو

عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ۔	ہم نے تجھے جیسا پہچاننے کا حق ہے پہچان لیا۔

کہتے ہیں اور معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (ہم نے جیسا پہچاننے کا حق ہے تجھے نہیں پہچانا) کے قائل اور اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں گویا پہلی جماعت نے خدائے تعالیٰ کی ذات کو ایسا محدود قرار دے لیا ہے کہ جس کی معرفت کما حقہٗ ان کو حاصل ہوگئی اور یہ "مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ" کے خلاف ہے اور دوسری جماعت نے اپنے عجز کا اقرار کرلیا ہے گویا ان کے طلب کی انتہا ہوگئی ہے۔

تیسرا مقام وہ ہے جو "عَرَفْنَاکَ" اور "مَا عَرَفْنَاکَ" اس

دونوں سے برتر ہے اور جس طرح خدائے تعالیٰ کی ذات محدود و منتہی نہیں ہے اسی طرح ان کے علم و طلب کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اسی کو علم سکوتی اور سیر غیر متناہی کہتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی فصوص الحکم کے فص شیثیہ میں فرماتے ہیں کہ اس علم سکوتی کا اعلیٰ مقام صرف خاتم الرسل اور خاتم الاولیا ہی کو حاصل ہے چنانچہ آپ کی عبارت یہ ہے کہ

فَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فِي عِلْمِهِ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ وَمِنَّا مَنْ عَلِمَ فَلَمْ يَقُلْ مِثْلَ هٰذَا وَهُوَ اَعْلَى الْقَوْلِ بَلْ اَعْطَاهُ عِلْمَ السُّكُوْتِ كَمَا اَعْطَاهُ الْعَجْزَ وَهٰذَا هُوَ عَالِمٌ بِاللّٰهِ وَلَيْسَ هٰذَا الْعِلْمُ اِلَّا لِخَاتَمِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَوْلِيَاءِ۔

ہم میں بعض عارفین وہ ہیں جو دریافت سے عاجز رہنے ہی کو عین دریافت سمجھتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو دریافت سے عاجز رہنے کو عین دریافت خیال نہیں کرتے اور یہی اعلیٰ درجہ ہے۔ ان کو خدا تعالیٰ نے علم سکوتی عطا فرمایا ہے جس طرح دوسروں کو عجز کا درجہ دیا اور یہی حقیقی طور پر عالم باللہ ہیں اور یہ علم سکوتی خاتم الانبیا اور خاتم الاولیا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔

پس علم سکوتی اور مرتبہ علم باللہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہدی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے جس میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ محققین کے نزدیک تمام انبیا و اولیا بعض بعض

اسمائے الٰہیہ کے مظہر ہیں اور اسم اعظم کی جامعیت کا اعلیٰ مرتبہ حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاتم ولایت ہی کیلئے مخصوص ہے چنانچہ مصنف "مطلع خصوص الکلم شرح فصوص الحکم" نے صفت نبوت صفاتِ کونیہ سے اور صفت ولایت صفاتِ ازلی سے ہونے کا بیان کرتے ہوئے اس کی اس طرح تصریح کی ہے کہ

وَذٰلِكَ لِاَنَّ الرِّسَالَةَ	رسالت و نبوت صفات کونی و زمانی
وَالنُّبُوَّةَ مِنَ الصِّفَاتِ الْكَوْنِيَّةِ	سے ہے پس زمانہ رسالت و نبوت
الزَّمَانِيَّةِ فَتَنْقَطِعُ بِانْقِطَاعِ	منقطع ہو جانے سے یہ بھی منقطع ہو جائیگی
زَمَانِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ وَ	اور ولایت صفت الٰہی ہے اسی لئے
الْوِلَايَةَ صِفَةٌ اِلٰهِيَّةٌ لِذٰلِكَ	اللہ تعالیٰ نے اپنے کو "ولی حمید" کہا ہے
سَمّٰى نَفْسَهُ بِالْوَلِيِّ الْحَمِيْدِ وَقَالَ	نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اللہ مومنین
اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَهِيَ غَيْرُ	کا ولی ہے" پس ولایت ازلاً و ابداً غیر
مُنْقَطِعٍ اَزَلًا وَاَبَدًا وَلَا يُمْكِنُ	منقطع ہے اور اسی ولایت کے واسطہ
الْوُصُوْلُ لِاَحَدٍ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ	کے بغیر جو نبوت کی باطن ہے انبیا
وَغَيْرِهِمْ اِلَى الْحَضْرَةِ الْاِلٰهِيَّةِ	میں سے کسی کو اور ان کے سوا دوسروں
اِلَّا بِالْوِلَايَةِ الَّتِيْ هِيَ بَاطِنُ النُّبُوَّةِ	کو حضرت الٰہی تک پہنچنا ممکن نہیں ہے
وَهٰذِهِ الْمَرْتَبَةُ مِنْ حَيْثُ	اور یہ مرتبہ اسم اعظم کی جامعیت کی
جَامِعِيَّةِ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ لِخَاتَمِ	حیثیت سے خاص خاتم الانبیاء اور
الْاَنْبِيَاءِ وَمِنْ حَيْثُ ظُهُوْرِهَا	اسکے شہود میں ظاہر ہونے کی حیثیت سے

في الشهادة بتمامها لخاتم الاولياء
وصاحبها واسطة بين الحق
وجميع الانبياء والاولياء ومن
امعن النظر في جواز كون
الملك واسطة بين الحق
والانبياء لا يصعب عليه قبول
كون الخاتم الولاية الذي هو
مظهر باطن الاسم الجامع و
اعلى مرتبة من الملائكة
واسطة بينهم وبين الحق

خاتم الاولیا ہی کے لئے حاصل ہے۔ اور اس مرتبہ والا خدا کے اور تمام انبیاء و اولیاء کے درمیان واسطہ ہے اور جو شخص فرشتہ کا واسطہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان ہونا تسلیم کرتا ہے اس کے لئے انبیاء اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خاتم ولایت کو واسطہ ماننا مشکل نہیں ہے جو باطن اسم جامع کا مظہر ہے اور فرشتہ سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

(نص شیخیہ)

اس قول سے ثابت ہے کہ اسم جامع کے مظہر ہونے کی فضیلت صرف حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم ولایت علیہ السلام ہی کے لئے متحقق ہے۔ اور یہ کہ حضرت خاتم ولایت ہی تمام انبیاء و اولیا کے لئے خدائے تعالیٰ تک پہنچنے کا واسطہ ہیں۔

اسی قسم کی کئی جہتیں یا مقامات ہیں جو بقول صوفیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا باطن یا مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے مہدی علیہ السلام ہی سے مخصوص یا انہی میں مشترک ہیں اور اسی کو تسویت سے تعبیر کیا جا سکتا یا تسویت کہا جا سکتا ہے

لیکن یہاں بخوف طوالت انہی پر اختصار کیا جاتا ہے۔

ان مباحث سے قطع نظر محققین صوفیا ایک اور طرح سے بھی بحث کرتے ہیں جو پہلے اعتبارات سے بھی بڑھ کر ہے وہ یہ کہ حضرت خاتم الاولیا علیہ السلام اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں جو نسبت ہے اس کی دو جہتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی اور ظاہری جہت اتباعِ رسول اللہ صلعم کی ہے کہ مہدی علیہ السلام نشاءِ عنصری اور مادۂ ظاہری کے اعتبار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں۔ اور دوسری باطنی جہت ہے کہ آپ اس جہت سے متبوع خاتم الرسل بلکہ متبوع جمیع رُسُل ہیں۔ چنانچہ ان دونوں جہتوں کو شیخ اکبرؒ فصوص الحکم کے فص شیثیہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

فَالْمُرْسَلُوْنَ مِنْ كَوْنِهِمْ أَوْلِيَاءَ لَا يَرَوْنَ مَا ذَكَرْنَاهُ إِلَّا مِنْ مِشْكوٰةِ خَاتِمِ الْأَوْلِيَاءِ فَكَيْفَ مَنْ دُوْنَهُمْ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَإِنْ كَانَ خَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ تَابِعًا فِي الْحُكْمِ لِمَا جَاءَ بِهِ خَاتِمُ الرُّسُلِ مِنَ التَّشْرِيعِ فَذٰلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي مَقَامِهِ وَلَا يُنَاقِضُ مَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ فَإِنَّهُ مِنْ وَجْهٍ

انبیا علیہم السلام کو بھی بہ حیثیت ولایت مشکوۃ خاتم الاولیا کے بغیر رویت نہیں ہوتی۔ جب انبیاء علیہم السلام کی یہ حالت ہے تو عام اولیائے امت کو بھی اس مشکوۃ کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اگرچہ خاتم الاولیا احکام شریعت میں خاتم الرسل کے تابع ہیں لیکن خاتم الاولیا کی یہ تبعیت آپ کے مقام اور ہمارے اس قول کے مناقض نہیں ہے کہ خاتم الاولیا ایک

يكون انزل لما انه من وجه يكون اعلى۔	جہت سے ادنیٰ ہیں تو دوسری جہت سے اعلیٰ ہیں۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ شرح فصوص میں شیخ اکبرؒ کے قول کی شرح اس طرح کرتے ہیں کہ

وان كان خاتم الاولياء بحسب نشأته العنصرية تابعا في الحكم الالهي لما جاء خاتم الرسل من التشريع فذلك اي كونه تابعا بحسب نشأته العنصرية لا يقدح في مقامه الذي يقتضي المتبوعية بحسب حقيقته ولا يناقض ما ذهبنا اليه من ان المرسلين لا يرون هذا العلم الا من مشكاة خاتم الاولياء فانه من وجه وهو كونه وليا تابعا بحسب نشأته العنصرية يكون انزل مرتبة من الرسول الخاتم من حيث رسالته كما انه	اگرچہ خاتم الاولیا ظاہری حیثیت سے احکام تشریعی میں خاتم الرسل کے تابع ہیں لیکن یہ ظاہری تبعیت خاتم الاولیا کی اس حقیقی شان و منزلت کو نقصان نہیں پہنچا سکتی جو خاتم الاولیا کی متبوعیت کی مقتضی ہے اور ہمارے اس دعوے کو بھی شکست نہیں دیتی جو ہم نے مشکوٰۃ خاتم الاولیا کو تمام انبیا علیہم السلام کے لئے ربوبیۃ اللہ کا اصلی ذریعہ ثابت کیا ہے اس لحاظ سے اگر خاتم الاولیا اپنی ظاہری و عنصری حیثیت سے مرتبہ میں خاتم الرسل سے باعتبار رسالت فروتر ہیں تو اپنی حقیقت کے اعتبار سے یعنے رسول خاتم کا باطن ہونے کی جہت سے رسول خاتم کی نبوت و

من وجه وهو كونه جهة ما بنية الرسول الخاتم باعلياً حقيقته يكون اعلى مقاماً منه بحسب نبوته وظاهر شرعه (نصوص شرعيه)	ظاہری شریعت کے اعتبار سے برتر ہیں۔

اسی طرح مولانا عبد الرزاق کاشانی اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ

فانه يكون في الاحكام الشرعية تابعاً لمحمد صلعم وفي المعارف والعلوم والحقيقة تكون جميع الانبياء والاولياء تابعاً له ولا يناقض ما ذكرناه لان باطنه باطن محمد صلعم	خاتم الاولیا احکام شریعت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں اور معارف و علوم اور مقام حقیقت میں تمام انبیاء و اولیا خاتم الاولیا کے تابع ہیں۔ ہم نے خاتم اولیا کے شریعت میں تابع ہونے کا جو ذکر کیا ہے وہ آپ کی اس متبوعیت کے مناقض نہیں ہے کیونکہ خاتم اولیا کا باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہے

اس قول سے ثابت ہے کہ خاتم الاولیا جہت ولایت کے اعتبار سے کل انبیاء و اولیا کے متبوع ہیں۔

غرض صاحب فصوص شیخ اکبرؒ اور مولانا عبد الرزاق کاشانیؒ مولانا عبد الرحمن جامیؒ وغیرہ شارحین فصوص کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت مہدی علیہ السلام کو جو خاتم ولایت محمدیہ اور باطن خاتم الانبیا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انزل و اعلیٰ دونوں نسبتیں حاصل ہیں۔ یعنے مہدی علیہ السلام ایک جہت سے تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو دوسری جہت سے متبوع۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہت سے متبوع ہیں تو دوسری جہت سے تابع۔ پس یہی تابعیت و متبوعیت جو محققین کے اقوال سے مستفاد ہے رسول و مہدی کے کمال تسویت کی دلیل ہے۔

انہی تمام وجوہ ظاہری و باطنی کا لحاظ اور اعتبار کرکے حضرت ابن سیرینؒ نے مہدی علیہ السلام کی شان و منزلت کی تعبیر یوں فرمائی ہے کہ

یَعْدِلُ نَبِیَّنَا — قَدْ کَانَ	مہدی جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
یَفْضُلُ عَلٰی بَعْضِ الْاَنْبِیَاءِ	برابر اور بعض انبیاء سے افضل ہونگے۔

ان تمام مباحث پر جو متکلمین کے اصول اور محققین کے مسلک کے مطابق اس مسئلہ میں پیش کئے گئے ہیں مضمون نگار صاحب منصفانہ غور کریں گے تو ظاہر ہوگا کہ یہ سب کتابیں اہل سنت ہی کے اقوال یا انہی کے مسلمہ اصول ہیں کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان کا بیان اہل سنت کے یہ اقوال ... ہونگے جو مہدویہ مذہب کے

ؔلہ ابن سیرینؒ کا پورا قول حدیقہ صفحہ (۴۲) پر ملاحظہ ہو ۱۲

پورے مطابق ہیں آپ کے مزعومہ اہل سنت کے موافق ہیں یا مخالف؟ اگر مخالف ہیں تو پھر آپ کو ان بزرگان و ائمۂ اہل سنت کی نسبت بھی مخالفِ اہلِ سنت ہونے کا فتویٰ دینا اور مہدویہ سے پہلے ان کی تردید میں قلم اٹھانا چاہیئے۔

خواہ مضمون نگار صاحب ان مباحث پر انصاف و دیانت کے ساتھ غور کریں یا نہ کریں لیکن ہم کو امید ہے کہ ہر منصف مزاج ناظر جو ان مباحث پر علیٰ وجہ البصیرۃ غور کرے گا یہی فیصلہ کریگا کہ مہدویہ کا یہ اعتقاد اکابرین و محققین اہل سنت کے عقاید اور ان کی تصریحات کے عین مطابق ہے۔ اور مضمون نگار صاحب کا اس عقیدہ کو مہدویہ سے مختص سمجھنا اور عقاید اہل سنت کے مغایر قرار دینا خود اہل سنت کے اصول و ضوابط سے ان کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست — سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

مضمون نگار صاحب نے مہدویہ پر انبیا علیہم کو ناقص الاسلام جاننے کا بھی اعتراض کیا ہے چنانچہ ان کی عبارت صفحہ (۲۹) پہ درج کی گئی ہے۔

مضمون نگار صاحب کے اس اعتراض کو دیکھکر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ کسی غیر مسلم مناظرہ نے کسی کتاب میں یہ اشعار دیکھکر یاد کر لئے۔

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما
کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

کل ہمارا پیر مسجد سے شراب خانہ کو آگیا اے
یاران طریقت تم ہی کہو کہ اسکے بعد ہم کیا کریں
ہم مرید کعبہ کی طرف کیسے رخ کریں جبکہ ہمارا پیر
شراب والے کے مکاں کیطرف رخ کیا ہوا ہے
ہم کافر عشق ہوں مجھے مسلمانی درکار نہیں ہے
میری ہر رگ تار بن گئی ہے زنار کی حاجت نہیں ہے

اس کے بعد وہ مناظر صاحب ایک موقعے پر مسلمانوں پر اعتراض کرنے لگے کہ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ انکے بڑے بڑے اولیا شراب خور اور مسلمانی سے بیزار اور اپنے کافر ہونے کے مقر ہیں۔ کعبہ اور مسجد سے روگرداں ہوکر شراب خانوں میں رہتے ہیں اور یہ خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ ان اشعار کے الفاظ کے نظر کرتے تو ان کا اعتراض بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ اعتراض جیسا کچھ پوچ اور لچر ہے ظاہر ہے اسی لئے مسلمانوں کی طرف سے کہا گیا کہ شراب سے مراد یہ شراب خانہ خراب نہیں بلکہ وہ عشق و شوق کو اس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانی سمجھ۔ اور کفر کا معنی جو آپنے سمجھا ہے وہ نہیں ہے بلکہ ان کا خاص درجہ اور مقام مقصود ہے چنانچہ جس کتاب میں آپ نے یہ دیکھا ہے اسی کتاب کے دوسرے مضامین سے ان سب باتوں کی وضاحت ہوسکتی ہے۔

یہاں بھی مضمون نگار صاحب کے اس اعتراض کی ٹھیک یہی نوعیت ہے اور ہم اس کے جواب میں صرف اسی قدر کہنے پر اکتفا کر سکتے ہیں کہ یہ تعبیرات ہیں اور سلمانی کا وہ معنی نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے بلکہ اس کا خاص مقام یا خاص درجہ مقصود ہے۔

لیکن ہم اس اعتراض کی مزید توضیح کی غرض سے یہ بحث کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے وہ اصل کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ اگر کسی کتاب میں یہی لکھا بھی ہے تو سلمانی کا کیا معنی ہے اور یہ کس درجہ کی سلمانی ہے۔ جو معنی مضمون نگار صاحب نے سمجھا ہے اسی کتاب کے دوسرے مضامین کے لحاظ سے موزوں بھی ہے یا نہیں۔

اگر سلمانی کا مفہوم و معنی بھی وہی فرض کر لیا جائے جو معترض صاحب نے بیان کیا ہے تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ وہ روایت مہدویہ کے عقاید میں بھی داخل ہے جیسا کہ معترض صاحب کا روئے سخن ہے اگر یہ اصول ان کے پاس صحیح ہے تو کیا اہل سنت کی کتابوں میں بلکہ اہل سنت کی بھی تخصیص نہیں جملہ فرقہائے اہل اسلام کی کتابوں میں جتنی بھی روایتیں پائی جاتی ہیں وہ سب ان کے معتقدات میں شمار ہو جائیں گی؟ حالانکہ کوئی اہل سنت یا اہل مذہب ایسی روایات کو عقیدہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

معترض صاحب کے اصل اعتراض کے متعلق پہلے یہ امر تنقیح کے

کے قابل ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصل کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ نے جو کچھ اور جس انداز میں لکھا ہے وہ تحریف لفظی ومعنوی کی حد میں داخل ہے چنانچہ کہیں سے اس روایت کی کچھ عبارت چھوڑ دی ہے جس سے اصل مقصد فوت اور مضمون خبط ہو گیا ہے اگر پوری عبارت نقل کر دیجاتی تو واقف ناظرین خود صحیح معنے اخذ کر لیتے۔

اور کہیں کچھ عبارت بڑھادی ہے جو اصل میں نہیں تھی مثلاً آپ کا یہ بیان کرنا کہ مہدویہ کی کتابوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے کہ تمام انبیاء ناقص الاسلام تھے۔ حالانکہ خود معترض صاحب نے جو مضمون نقل کیا ہے اس میں چند انبیا علیہم السلام کے نام درج ہیں ایسی صورت میں جو مدارج بیان ہوئے ہوں وہ انہی مذکورہ انبیاء علیہم السلام سے متعلق اور خاص ہوں گے۔ مگر تمام انبیا علیہم السلام کے لئے یہ حکم کسی طرح عام نہیں ہو سکتا جن کا نام یا ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا کہ تمام انبیاء ناقص الاسلام تھے یہ ان کی ایجاد یا ایزاد ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس روایت میں کہیں بھی ناقص الاسلام کے الفاظ یا یہ جملہ نہیں ہے۔ اگر مضمون نگار صاحب نے مہدویہ کی کتابوں سے راست طور پر یہ مضمون لیا ہے تو تصحیح النقل کی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے وہ خود بتائیں یا اگر کسی اور شخص کے اعتراض کرنے پر دھوکہ کھا کر انہوں نے یہ اعتراض اس سے نقل کر دیا ہے تو اپنی اس

الفاظ کا صاف طور پر اعتراف کریں اور اس کو چیلنج دے کر ثابت کروائیں
کہ ناقص الاسلام کے الفاظ انہوں نے کس کتاب سے نقل کئے ہیں۔
اگر بعد کی عبارت کو دیکھکر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے تو اس پر تمام
انبیا علیہم السلام ناقص الاسلام ہونے کی روایت پائی جانے کا اطلاق
نہیں ہو سکتا بلکہ یہ آپ کا ذاتی ماخذ کردہ نتیجہ یا ذاتی رائے اور سمجھ ہوگی
کہ آپ نے ان تعبیرات کا معنی ناقص الاسلام سمجھا اور اس کو عجمانی
اسلام کی تفصیل بھی قرار دے لیا لیکن آپ کی یہ رائے بانی مہدویہ
کی روایت نہیں کہی جا سکتی۔ اس صورت میں آپ کا یہ نتیجہ اس
غیر مسلم مناظر کے نتیجہ سے کم نہ ہوگا جس نے مذکورہ اشعار سے مسلمانوں
کے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے شراب خوار اور مسلمانی سے بیزار
اور اپنے کفر کے خود مقر ہونے کا نتیجہ نکالا تھا۔ کوئی مسلمان اس
مناظر کے اس نتیجہ کو جو اس کی ذاتی رائے اور غلط رائے ہے اصل
کتاب کا مضمون ہونا اور اس کا صحیح ہونا تسلیم نہیں کر سکتا حالانکہ وہاں
الفاظ بالکلیہ اس کے مؤید بھی ہیں اور یہاں تو الفاظ تک نہیں ہیں۔
اس روایت کے بیان کرنے میں تحریف معنوی یہ کی گئی ہے کہ
اسلام یا مسلمانی جو مہدویہ کی خاص اصطلاح ہے اور جس کے معنی
انبیا علیہم السلام کی شان و منزلت کے موزون و مناسب ہیں اس کو
بدل کر عام اور عرفی مسلمانی قرار دے لیا ہے۔ جو صرف کلمہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے ہر شخص کو حاصل ہو جاتی ہے۔

معترض کا فرض ہے کہ کسی مذہب پر اعتراض کرنے سے پہلے اہلِ مذہب کی اصطلاح سے واقف ہو کیونکہ اصطلاحات کی نسبت ایک ضابطہ ہے کہ

لَا مُشَاحَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ | اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ہر سلک اور مذہب میں ان کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ خود اسلام میں صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ شرک۔ اسلام وغیرہ بہت سے اصطلاحی الفاظ رائج ہیں جن کے لغوی معنی اور ہیں اور مسلمانوں کی اصطلاح میں ان کے خاص معانی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر سلک یا مذہب یا فن والوں کی خاص خاص اصطلاحات ہوتی ہیں حضرت مولانا رومیؒ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم ۔ ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم
درحقِ او نور در حقِ تو نار ۔ درحقِ او مدد درحقِ تو خار

اس اعتراض کا یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ مسلمانی کا کیا معنی ہے یا وہ کس درجے کی مسلمانی ہے اور اسی کتاب کے بلکہ اسی روایت کے دوسرے حصے سے اس کی توضیح ہوتی ہے یا نہیں۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام اور مسلمانی کا مدار شہادتین پر ہے اور اللہ تعالیٰ کو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ جاننا اسلام یا مسلمانی کا جزوِ اعظم ہے۔ لیکن اسی توحید کا اقرار کرنے اور اس پر اعتقاد رکھنے اور اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے کے کئی درجے ہیں یا یوں کہو کہ معنی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی انتہائی حقیقت تک پہنچنے کے کئی زینے ہیں
چنانچہ بعض مدارج توحید کتاب احیاء العلوم اور فصل الخطاب وغیرہ کتب
سے یہاں اختصاراً و اجمالاً مثال کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

ایک شخص صرف زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے اور دل
میں اس کا اعتقاد نہیں رکھتا وہ بھی جب تک اس کا اعتقاد ظاہر نہ ہو
بظاہر مسلمان ہے جیسا کہ منافقین کا اسلام ہے۔

(۲) ایک شخص زبان سے بر سبیل تقلید نہ بر سبیلِ تحقیق لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرتا اور دل سے اعتقاد بھی رکھتا ہے وہ بھی مسلمان
ہے جیسا کہ عوام کا اسلام ہے۔

(۳) ایک شخص بطورِ تقلید نہیں بلکہ تحقیقی طور پر دلائل و براہین
کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہے وہ بھی مسلمان ہے
جیسا کہ علمائے متکلمین کا مسلک ہے۔

(۴) ایک شخص اس اقرار و اعتقاد کے ساتھ ہی عملی توحید کا بھی
پکا ہے کہ خدائے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کے سوا عبادت میں اور اس
کے خاص صفات میں کسی کو شریک نہیں کرتا اسی کو معبود حقیقی اور فاعل
مختار اور مسبب الاسباب سمجھتا ہے۔ یہ بھی مسلمان ہے

ظاہر ہے کہ یہ سب مسلمان ہیں لیکن ان کی مسلمانی یا اسلام کے
مدارج یا توحید باری تعالیٰ پر یقین رکھنے کے مراتب مختلف ہیں اور
ہر درجۂ اسلام و توحید اس سے پہلے درجے کی نسبت کرتے اعلیٰ ہے۔

محققین صوفیا کے اصول پر مراتب توحید اس سے بھی اعلیٰ ہیں مثلاً ان کے نزدیک موحد وہ ہے جو خدائے تعالیٰ کے سوا کسی پر توکل یا بھروسہ نہ کرے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ	مومنین کو خدا ہی پر توکل کرنا چاہئے۔
ایضاً	
وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	اگر تم مومن ہو تو خدا ہی پر توکل کرو (ہم تیری ہی)
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ	عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں)۔
خدائے تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے	جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ	اے مومنو تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کریں)
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	اور جو ایسا کریں پس وہی نقصان میں ہیں۔

بعض صوفیا نے گویا اسی کی تفسیر میں کہا ہے۔

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است ۔ دراں دم کافر است اما نہان است

اس کے سارے افعال و اقوال باتباع نفس و ہوا نہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ۔	کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی ہوا و ہوس کو اپنا معبود بنایا۔

بلکہ اس کا ہر فعل اور ہر قول للہ ہو چنانچہ اس مقام پر جو حالت

ہونا چاہیے اس کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

لَا یَتَحَرَّكُ اِلَّا لِلّٰهِ لَا یَسْكُنُ اِلَّا لِلّٰهِ وَلَا یَسْكُتُ اِلَّا لِلّٰهِ وَلَا یَتَكَلَّمُ اِلَّا لِلّٰهِ الخ

اس کی حرکت اس کا سکون۔ اس کا سکوت اس کا تکلم سب اللہ ہی کے لئے ہو۔

ان کے پاس صرف دلائل و براہین کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو وَحدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ جاننا جو علم الیقین ہے کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حقیقی کا عین الیقین حاصل ہو چنانچہ مولانا رومیؒ اسی مقام علم الیقین کی نسبت لکھتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود۔ پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

اس سے اعلیٰ مقام حق الیقین کا ہے اس کے بھی مدارج ہیں اور ان کی تعبیرات مختلف طور پر کی جاتی ہیں۔ اس کا ایک مقام یہ ہے کہ سالک کو ذات واحدیت موصوف ببعض الصفات میں فنا حاصل ہو۔

اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ توحید ذاتی میں ذات احدیت موصوف بجمیع الصفات میں فنا حاصل ہو اور کسی خاص صفت یا کسی اسم کا تقید نہ ہو۔ اور یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے کیونکہ ان مقامات میں تقید و اطلاق کا فرق ہے اور تقید کی بہ نسبت اطلاق اعلیٰ ہے چنانچہ تفسیر ابن عربیؒ میں آیت یَابَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ

کے تحت لکھا ہے کہ

أي خصصوا عبادتكم بالذات الموصوفة بجميع الصفات والأسماء التي هي الوجود المطلق ولا تعينوه باسم وصفة فإن نسبة ربوبيته إلى الكل سواء ومن حصر ألوهيته في صورة وخصصها باسم معين وكلمة معينة وصفة فقد أثبت غيره ضرورة وجود ما سواه من الأسماء والصور والصفات ومن أثبت غيره فقد أشرك به ومن أشرك به فقد حرم الله عليه جنة شهوده بذاته وصفاته وأفعاله أي الجنة المطلقة الشاملة يعني فقد حجبه مطلقاً۔

اپنی عبادت کو اس ذات سے خاص کرو جو جمیع صفات واسماء سے موصوف اور ایک وجود مطلق ہے اور اس کو کسی اسم وصفت سے معین مت کرو کیونکہ اسکی نسبت تمام اسما وصفات کی طرف برابر ہے اور جس نے اسکی الوہیت کو کسی خاص صورت میں منحصر اور کسی صفت معینہ یا اسم معین یا کلمہ معینہ میں خاص کر دیا تو اس نے ضرور غیر کو ثابت کیا اس وجہ سے کہ اس کے سوا دوسرے صور واسما وصفات بھی موجود ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے اللہ تعالیٰ اس پر اپنے شہود ذات وصفات وافعال کی جنت یعنے جنت اطلاق کو جو سب اسما وصفات کو شامل ہے حرام کر دیگا۔

محققین کا قول ہے کہ ان آخری دو مقامات میں سے پہلا مقام تمام انبیا علیہم السلام کا ہے اور دوسرا اعلیٰ مقام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے بعض محققین نے ان مقامات کی اس طرح تعبیر کی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام بعض صفات یا بعض اسمائے صفاتی کے مظہر ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خاص اسم ذات کے مظہر ہیں جو جمیع صفات کا جامع اور اسم اعظم ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ سے یاد فرمایا ہے یہ اعلیٰ مقام کسی نبی کو حاصل نہیں ہے اور حدیث شریف میں اسی مقام کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔	مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وقت حاصل ہے جس میں میرے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ کوئی نبی مرسل وہاں سما سکتا ہے۔

محقق روزبہان رح نے اس اعلیٰ مقام حقیقۃ الحقیقۃ کو مقام بصیرت کہا ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ۔

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔	کہو اے محمد (صلعم) کہ یہ میرا راستہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور وہ جو میرا تابع ہے پس کہو کہ اللہ پاک ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

تفسیر شیخ ابن عربی رح میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَیِ السَّبِیْلُ الَّتِیْ اَسْلُکُھَا وَھِیَ سَبِیْلُ تَوْحِیْدِ الذَّاتِ سَبِیْلِیْ الْمَخْصُوْصُ بِیْ لَیْسَ عَلَیْہٖ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ	کہو اے محمد (صلعم) کہ یہ میرا راستہ ہے کہ جس پر چلتا ہوں وہ توحید ذاتی کا راستہ ہے جو میرا خاص راستہ ہے جس پر میرے سوا کوئی شخص چل نہیں سکتا

اُدْعُوْا اِلَى الذَّاتِ الْاَحَدِيَّةِ الْمَوْصُوْفَةِ بِكُلِّ الصِّفَاتِ فِي عَيْنِ الْجَمْعِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ فِيْ هٰذِهِ السَّبِيْلِ	کہ بصیرت پر ذات احدیت موصوف بجمیع الصفات کی طرف میں دعوت کرتا ہوں اور وہ جو اس راستے میں میرا تابع ہے۔

غرض یہ مقام سب سے اعلیٰ و ارفع اور راس المدارج ہے جو جمیع وجوہ واعتبارات شرک خفی یا تقیید سے مبرا و منزہ ہے۔ اور ما انا من المشرکین اسی مقام کا بیان ہے۔

یہ اعلیٰ مقام توحید حقیقی حسب تفسیر مذکور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابع تام سے مخصوص ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہیں ہے۔ اہل ظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کثرت معجزات تکمیل شریعت وغیرہ ظاہری جملہ کمالات وفضائل کو آنحضرت صلعم کے افضل الانبیا ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ اور محققین کے نزدیک ان سب مخصوص فضائل کے علاوہ ان اعلیٰ مقامات توحید کے اعتبار سے بھی جو آنحضرت صلعم سے مخصوص ہیں حضرت صلعم کی یہ اعلیٰ شان ہے کہ

بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

چنانچہ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے مقامات کا اختلاف کہ کوئی نبی کسی آسمان پر ہیں اور کوئی کسی پر اور حضرت افضل الانبیاء والمرسلین کا ان تمام مقامات سے اعلیٰ مقام قرب میں پہنچنا اسی اختلاف مدارج کی توضیح جلی ہے۔ اور اہل سنت کے دونوں گروہ متکلمین ومحققین سا

اختلاف مدارج کے ماننے والے ہیں۔

پس مضمون نگار صاحب جنہوں نے اسی اختلاف مدارج کی واضح تعبیر کو کفر و بیدینی سمجھا ہے۔ اگر آج بھی علمائے حق جو حق پرست سے استفتا کریں تو یہی جواب ملے گا کہ جو شخص ان مدارج توحید کا قائل نہ ہو اور حضرت افضل الانبیاء والمرسلین کے اعلیٰ مرتبۂ توحید کو عام انبیا علیہم السلام کی توحید کی جیسی سمجھے وہ بیدین ہے۔

واقف رموز ناظرین اس مختصر توضیح سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ان مدارج توحید کے اعتبار سے عام مسلمانوں کی مسلمانی یا توحید اور علمائے امت اور صدیقین و صالحین اور انبیاء علیہم السلام کی مسلمانی یا توحید ایک مرتبہ کی نہیں ہے اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی توحید یا مسلمانی میں اور حضرت افضل الانبیاء والمرسلین کی توحید میں کیا فرق ہے پس اسی رفع تقییدات یا کامل توحید کو جو شرک خفی کے شائبہ سے پاک ہے مجاذاً وجود انسانی سے جس کو صوفیائے کرام عالم صغریٰ مانتے ہیں بطور تشبیہ و تمثیل اسلام کامل یا سرتا پا مسلمانی سے اور بقائے تقییدات اسماء و صفات کو باختلاف درجات سر اور سینہ وغیرہ تک مسلمان ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ علمائے محققین کی تصریحات کے مخالف نہیں ہے۔ اس قسم کی تمثیلات و تشبیہات خود قرآن شریف اور احادیث میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ سے اور رسول اللہ صلعم کے سینہ یا قلب مبارک کو قندیل سے تشبیہ

بتمثیل دی ہے جیسے فرمایا ہے کہ

"مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ الآیہ" — اس کے نور کی مثال ایک طاق کے جیسی ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہے۔

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کو اینٹوں سے بنے ہوئے مکان سے اور اپنی ذات مبارک کو اس اینٹ سے تشبیہ دی ہے جس کی جگہ مکان کے ایک گوشہ میں خالی رکھی گئی تھی اور حضرت کے وجود باجود سے وہ جگہ پر ہوگئی اور مکان کمل ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تشبیہات میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کے اصل معنے مراد نہیں ہیں بلکہ معانی وحقایق اس تشبیہ کے لباس میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اس تشبیہ کے لباس میں وہ مراتب و مدارج توحید ظاہر کئے گئے ہیں اور اس سے اسلام متعارف مراد نہیں ہے جو کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے ہر شخص کو حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ یہ اسلام تو نہ قابل تقسیم ہے اور نہ اس کے حصے ہوسکتے ہیں پھر یہ تقسیم جو سر اور سینہ اور ناف کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے وہ اس سے کسی طرح منطبق نہیں ہوسکتی۔

اس کے علاوہ مسلمانی کا یہ معنی جو عام مسلمانوں کا اسلام ہے انبیاء علیہم السلام کی شان و منزلت کے منافی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ کی تعمیر کرتے وقت یہ دعاء فرمائی ہے کہ۔

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ — اے ہمارے پروردگار ہم کو مسلمان بنا۔

اس اسلام کے معنی اہل حقایق نے فنائے وصفی لیا ہے جیسا کہ محقق روزبہان تفسیر عرائس البیان میں لکھتے ہیں کہ

اَیۡ اَفۡنِنَا لِبَقَائِكَ فِیۡ جَمَالِ صِفَاتِكَ ۔	یعنی ہم کو اپنے جمال صفات میں حصول بقا کے لئے فنا عطا کر۔

اگر اس اسلام کے معنی یہ اعلیٰ درجہ کا اسلام نہ لیں اور اسلام متعارف لئے جائیں جو صرف کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے تو یہ ثابت ہوگا کہ وقتِ دعا ان جلیل القدر پیغمبروں کو یہ درجۂ اسلام بھی حاصل نہیں تھا جس کے حصول کے لئے یہ دعا کی گئی اور یہ پیغمبروں کی شان کے خلاف ہے۔ پس اس دعا میں جو اسلام مذکور ہے اس سے وہ مسلمانی مراد نہیں ہو سکتی جو صرف اوائے کلمۂ لا الہ الا اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے کامل تجلی ذاتی کو مسلمانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جناب خواجہ باقی باللہ کا قول ہے۔

مسلمانی تسلیم وانقیاد است مر احکام ازلی را تا تجلی ذاتی بر وجہ اتم نشود مسلمان شدن مشکل است (حیاتِ باقیہ مطبوعہ افضل المطابع دہلی)	مسلمانی نام ہے احکام ازلی کے آگے سر تسلیم خم کر دینے اور سر جھکا دینے کا تاوقتیکہ تجلی ذاتی کامل اور پورے طور پر نمایاں نہیں ہوتی مسلمان ہونا مشکل ہے (ترجمہ حیاتِ باقیہ)

ہمارے معترض صاحب کو اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا ہوگا کہ وہ انگنت اہل اسلام جو اس درجہ کو نہیں پہنچے ہیں اور جن میں بڑی بڑی بزرگ ہستیاں شامل ہیں ان سب کو جناب ممدوح نے اسلام سے

خارج کرتا ہے۔

پس اسی طرح اگر مہدویہ کی کسی کتاب میں انبیاء علیہم السلام کے فرقِ مراتبِ توحید کو مسلمانی سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس سے اسی توحید حقیقی کے اعلیٰ مدارج مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان ہیں۔ چنانچہ اسی روایت کا وہ حصّہ جو مضمون نگار صاحب نے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا سا اقتباس کر کے چھوڑ دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسلمانی سے اعلیٰ مدارج توحید کا بیان مقصود ہے چنانچہ وہ یہ ہے کہ۔

"شاہ دلاور روزے فرمودند آدم صفی اللہ صفاتی ہو نوح نجی اللہ ذات ملکوتی و ابراہیم خلیل اللہ ذات صفاتی و موسیٰ کلیم اللہ ذاتی و عیسیٰ روح اللہ عینِ ذاتی و یحییٰ صفات اللہ گاہ گاہ پرتوِ ذات اند و تمام انبیاء ملکوتی اند"

جو شخص علمِ حقایق و معارف کا مذاق رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت میں جو الفاظ صفاتی۔ ذات صفاتی۔ ذاتی۔ عین ذاتی ملکوتی وغیرہ آئے ہیں اہلِ حقایق کی اصطلاحات ہیں۔ پس مسلمانی سے مرادِ اسی درجہ کی توحید ہے نہ اسلام متعارف۔ پس مضمون نگار صاحب سن رکھیں

سرِ مستان منطق الطیر است جامی لب بہ بند
جز سلیمانے نیابد فہم این گفتار را

۴۔ اس نمبر میں مضمون نگار صاحب نے ترک دنیا، ورد بیدار کے

مسئلہ کو بھی پیش کر کے بتایا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ترک دنیا مستحسن نہیں اور دیدار ضروری نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"کیا عقیدۂ خوندمیر میں جسے آپ حضرت ام العقائد کہتے ہیں یہ مذکور نہیں کہ مومن کامل وہی ہے جو دنیا ترک کر دے اور معاش اور معیشت کے لئے کوئی سعی و عمل نہ کرے۔ اور کیا عقیدہ کی رو سے وہ شخص جو خدا کو بچشم سر یا خواب میں نہ دیکھے مومن کہلایا جا سکتا ہے۔ پھر مجھے اس سے مطلب نہیں کہ آپ جس نے دنیا کو ترک کرنے کے بجائے اُسے "بہادر یار جنگ" ہونے کی حد تک حاصل کیا ہے مومن ہیں یا نہیں اور نہ میں یہ سوال کرنے کا مجاز ہوں کہ آپ نے خدا کو کب اور کس طرح دیکھا کہ آپ اس جماعت کی صدارت کے مستحق سمجھے گئے۔ لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ جس حد تک اہل سنت کے عقائد کا تعلق ہے وہ ان دونوں باتوں سے بالکل علیحدہ ہیں نہ وہ ترک دنیا کو مستحسن جانتے ہیں نہ رویت خداوندی کو اسلام کی ضروری شرط قرار دیتے ہیں"

عقیدۂ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ میں یہ عبارت یا مضمون جو مضمون نگار صاحب نے ترک دنیا کے متعلق لکھا ہے موجود نہیں ہے سب سے پہلے مضمون نگار صاحب تصحیح النقل کے ذمہ دار ہیں پہلے وہ ثابت کریں کہ انہوں نے بحیثیت معترض جو کچھ

"عقیدۂ خوندمیر" کے حوالہ سے لکھا ہے وہ عقیدہ میں کہاں ہے
اسی سے ظاہر ہے کہ مضمون نگار صاحب کے اعتراضات کس قدر
بے تحقیق ہیں۔ اگر کسی اور معاند و مخالفِ مہدویہ کا قول ان کے اس
اعتراض کا ماخذ ہے تو کیا اچھا ہوتا کہ وہ اعتراض کرنے سے پہلے تحقیق
کر لیتے کہ خود وہ قول صداقت و حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں۔

اگرچہ معترض صاحب جب تک اپنے دعوی کے مطابق "عقیدہ"
سے اس عبارت یا مضمون کو ثابت نہ کریں اصولاً اس کا کوئی جواب
ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ
مضمون نگار صاحب دوسرے مسائل کی طرح مسئلۂ ترک دنیا اور دیدار
کی حقیقت سے ناواقف ہیں یا تجاہل کر کے عام برادران اسلام کو
مغالطہ دینا چاہتے ہیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں
مسئلوں کو بھی واضح کر دیا جائے۔

سب سے پہلے ایک غلط فہمی کو دفع کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے
جو مضمون نگار صاحب کے مذکورہ فقرہ سے ظاہر ہو رہی ہے اور ممکن
ہے کہ اور لوگ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں یعنے معاش و معیشت
کے لئے کوئی سعی و عمل نہ کرنے کو شاید ترک دنیا سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ
"ترک دنیا" اور "معاش و معیشت کیلئے سعی و عمل نہ کرنا" دو علیحدہ
مسئلے ہیں۔ ترک سعی و عمل مسئلہ توکل سے متعلق ہے جو دین اسلام کی تعلیمات
کا ایک اہم جز ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ۔

قال التوکل من منازل الدین ومقام من مقامات الموقنین بل ھو من معالی درجات المقربین

توکل دین کی منزلوں میں سے ایک منزل اور ارباب یقین کے مقامات میں سے ایک مقام ہے، بلکہ وہ مقربین کے اعلیٰ مدارج میں ہے۔

توکل خدا اور رسولؐ کے فرامین پر مبنی ہے مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

زمین پر چلنے والے جتنے جاندار ہیں، ان کا رزق اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے، البتہ اللہ رزق دینے والا زبردست قوۃ والا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا خدائے تعالیٰ اس کے لئے کوئی سبیل نکال دیگا، اور اس کو اس طرح رزق دیگا کہ اسکو گمان تک نہوگا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

من سرہ ان یکون اغنی الناس فلیکن بما عند اللہ اوثق منہ بما فی

جو شخص سب سے زیادہ غنی یا بے پروا ہونا چاہے تو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ میں جو چیز ہے

یلدرم - (احیاء العلوم)

اس سے بھی زیادہ خدا کے پاس کی چیز
واسکی عطا پر بھروسہ کرے

یدخل الجنة من متی سبعون الفاً بغیر حساب هم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون و علی ربهم یتوکلون. (کنز العمال بحوالہ بخاری ومسلم)

میری امت سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے، جو منتر اور شگون اور داغ کے قائل نہیں، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں

لو انکم تتوکلون علی الله حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً وتروح بطاناً من انقطع الی الله عز وجل کفاه الله تعالی کل مؤنة و رزقه من حیث لا یحتسب ومن انقطع الی الدنیا وکله الله الیها (احیاء العلوم)

اگر تم خدائے تعالیٰ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق عطا کریگا جسطرح پرندوں کو عطا کرتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر آتے ہیں، جو خدائے تعالیٰ کا ہو رہتا ہے خدائے تعالیٰ اسکی ہر حاجت کو پوری کرتا ہے اور اسکو اسطرح رزق دیتا ہے کہ وہ نہیں سمجھ سکتا، اور جو شخص دنیا کا ہو رہتا ہے خدائے تعالیٰ اس کو اسی پر چھوڑ دیتا ہے۔

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے ام ایمن رضی اور بلال رضی کو کوئی چیز ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہے

نہیٰ ام ایمن وغیرہا ان تدخر شیئاً لغد ونہیٰ بلالاً عن الادخار فی کسرۃ خبز ادخرھا لیفطر علیہا فقال صلعم انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا (احیاء العلوم)

رسول اللہ صلعم نے ام ایمن وغیرہ کو کل کیلئے کوئی چیز اٹھا رکھنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح بلالؓ نے شام کو افطار کرنے کیلئے کچھ روٹی کے ٹکڑے اٹھا رکھے تھے تو حضرت صلعم نے انکو ذخیرہ کرنے سے منع کیا اور فرمایا بلال اسے خرچ کردو اور مالک عرش کی طرف سے کمی یا بخل ہونے کا خوف نہ کرو

غرض توکل کے ثبوت میں بہت سے عقلی ونقلی دلائل اور بہت سے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ توکل علی اللہ بھی ایمان کی علامت اور ایمان کی شرط ہے لیکن یہ بحث اس وقت موضوع بحث سے غیر متعلق ہے اس لئے اس کی زیادہ تفصیل نہیں کی جا سکتی مختصر یہ کہ جلب منفعت یا دفع مضرت میں اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھنا بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھنا توکل کا اصل ہے، اور دوسرے احکام و مسائل کی طرح اس کے بھی کئی مدارج ہیں۔

توکل کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ مومن اسباب کا منکر نہ ہو لیکن اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھے، بلکہ ان کو صرف ذریعہ خیال کرے اور اسکی نظر مسبب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ پر رہے، اس درجہ کی ظاہری مثال وکیل اور موکل کی دی جاتی ہے کہ موکل سب کچھ تگ و دو کرکے وکیل پر بھروسہ کرتا ہے، مومن بھی سب کچھ جد و جہد کرکے مسبب پر

پر بھروسہ کرے، اور مسبب پر سے اس کی نظر کبھی نہ اٹھے۔

اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل ہو جیسا بچہ کو اپنی ماں پر رہتا ہے، کہ وہ اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں جانتا اور جو مانگتا ہے، ماں سے مانگتا ہے۔ اپنی تمام ضروریات کا کفیل اپنی ماں ہی کو سمجھتا ہے، اسی مقام کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اِذا سئلت فاسئل اللہ وَاِذا استعنت فاستعن باللہِ

جب تم مانگو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ ہی سے مدد چاہو۔

اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ مومن کی حالت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ایسی رہے جیسے مردہ کی زندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اس کو کوئی اختیار ہی نہیں رہتا۔ یہ توکل کا اعلیٰ درجہ اور یہ تفویض و رضا و تسلیم کا مقام ہے۔ بعض لوگ صرف درجۂ اول ہی کو توکل سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی توکل میں شامل اور توکل کا ابتدائی درجہ ضرور ہے لیکن توکل کے مفہوم عام کو اسی میں منحصر خیال کرنا اور اس سے اعلیٰ مدارج توکل کا انکار کرنا کبھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت شارع علیہ السلام کے احکام میں اور آپ کی پاک سیرت میں ان سب مدارج کی تعلیمات اور واقعات ملتے ہیں اولیاء اللہ اور صالحین و صدیقین امت کی پاک زندگی میں بھی توکل کے ان تمام شعبوں کی مثالیں بہ تفاوت مدارج پائی جاتی ہیں۔

بزرگان مہدویہ بھی اگر معاش ومعیشت کے لئے سعی و عمل کے تارک نظر آتے ہیں تو انکا یہ عمل دوسرے اولیاء اللہ کی طرح انہی مدارج توکل کی تکمیل و تعمیل سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے بعد ترک دنیا کے مسئلہ سے ہم بحث کرتے ہیں، لیکن اس مسئلہ کے تمام ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے تمہیدی طور پر یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ:۔

دنیا کس کو کہتے ہیں؟

دنیا کی نسبت آیات واحادیث میں کیا تصریحات ملتی ہیں۔

ترک دنیا کے کیا معنے ہیں۔

کیا ترک دنیا مہدویہ سے مخصوص ہے، یا شارع علیہ السلام کی پاک سیرت اور اولیا و صدیقین کی زندگی کا ضروری جزء ہے،

دنیا کس کو کہتے ہیں، دنیا دنو سے مشتق ہے جس کے معنی قرب کے ہیں، اور اسی مناسبت سے "حیواۃ دنیا" اس حیات فانی کو کہتے ہیں، اور آخرت اس عالم کو کہتے ہیں جو موت کے بعد سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے دنیا و آخرت کی یہ مختصر تعریف کی ہے

ان الدنیا و الآخرۃ عبارۃ عن حالتین فالقریب الدانی منہما یسمی دنیا وھو کل ما قبل الموت	دنیا اور آخرت دو حالتوں سے مراد ہے، ان میں سے قریبی حالت کو دنیا کہتے ہیں، اور وہ موت سے پہلے تک ہے

وَالمتراخی المتاخر یُسَمّیٰ آخرۃ وَھُوَ مابعد الموت	اور بعد میں آنے والی حالت آخرت ہے، جو موت کے بعد سے تعلق ہے

(احیاء العلوم)

اس لحاظ سے عموماً دنیا کا اطلاق آخرت کے مقابل ہوتا ہے جیسے "دنیا و آخرت" دنیا کا استعمال دین کے مقابلہ میں بھی ہوتا ہے جیسے "دین و دنیا" آیات قرآنی سے بھی اس استعمال کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔

اولٰئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ وما لھم من ناصرین ۵	یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط ہو گئے ہیں۔ اور ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔
وَذروالذین اتخذوا دینھم لعباً ولھواً وَغرتھم الحیوٰۃ الدنیاؕ	ان لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب سمجھا۔ اور انکو حیواۃ دنیا نے مغرور کر دیا

گویا آخرت یا دین کے ماسوا دنیا ہے۔ آدمی کے تمام اعمال و افعال جو اس حیواۃ دنیا میں یا زندگانی دنیا میں صادر ہوتے ہیں، وہ پہلی حالت یعنے اس فانی زندگی سے متعلق ہوں۔ تو وہ اعمال دنیوی ہیں، جیسے لہو و لعب اور حظوظ نفسانی وغیرہ جن میں کوئی غرض دینی و اخروی نہ ہو، اور اگر دین یا آخرت سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو وہ اعمال

اخروی یا اعمال دینی ہیں جیسے خالص عبادت جن میں کوئی غرض دنیوی شامل نہو۔ تیسرے وہ اعمال وافعال جو بظاہر اس حیواۃ دنیوی سے متعلق ہوں لیکن وہ حکم شارع کی اتباع یا کسی دینی واخروی غرض ونیت پر مبنی ہوں، تو وہ بھی خالص دنیوی نہیں بلکہ بظاہر دنیوی در باطن دینی واخروی ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ان تمام اقسام کے اعمال کی جامع تقسیم اور ان کے احکام اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ

الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیہا الا ماکان فیہا للہ	دنیا وما فیہا ملعون ہے۔ لیکن اس دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ ملعون نہیں ہے

یہ حدیث محققین صوفیہ کے مستندات سے ہے جس سے وہ اکثر مسائل کے استنباط میں استدلال کرتے ہیں اس حدیث کے مفہوم ومنشا کو ملحوظ رکھکر حسب اختلاف مدارج ومراتب بعض محققین ماسوی اللہ کو دنیا کہتے ہیں۔ کسی نے اللہ سے غافل ہونے کو دنیا کہا ہے۔ چنانچہ مولانا رومیؒ نے دنیا کی یہ تعریف کی ہے

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مولانا رومؒ کی یہ تصریح آیت قرآنی کے مطابق ہے، کہ زن و فرزند اور اموال واسباب وغیرہ عین دنیا نہیں بلکہ متاع حیوٰۃ دنیا ہیں جو غفلت کے اسباب ہیں۔ غفلت

کے بھی مدارج ہیں۔ انتہائی درجہ بقائے خودی وہستی سے، اس لئے کسی کے نزدیک۔ خودی وہستی دنیا ہے۔ چنانچہ سہل تستریؒ کا قول ہے کہ

الدنیا نفسک فاذا افنیتہا فلا دنیا لک

دنیا تیرا النفس ہے جب تو اس کو فنا کردے تو پھر تیرے لئے دنیا نہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کی نسبت آیات واحادیث میں کیا تصریحات ملتی ہیں۔ کیونکہ تمام اسلامی احکام وتعلیمات کا ماخذ اور اصل اصول آیات قرآنی واحادیث رسالت پناہی ہی ہیں۔ اور اُن سے جو بات ثابت ہو وہ ہر مسلمان کیلئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہے چنانچہ بعض آیتوں کا اقتباس یہ ہے

اعلموا انما الحیوٰۃ لعب و لھو و زینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال و الاولاد ؕ کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما و فی الاٰخرۃ عذاب شدید و مغفرۃ من اللہ و رضوان ؕ و ما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور ؕ

دنیا لہو ولعب اور زینت وتفاخر اور اموال واولاد کی بہتات اور جلد زائل ہونے والی ہے، جیسے بارش کی نباتات کفار کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پھر پک جاتی۔ پھر زرد پڑ جاتی، اور پھر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں، اور اس کے مقابل آخرت میں دشمنان خدا کے لئے عذاب اور دوستوں کے لئے خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا ہے۔ اور حیوٰۃ دنیا غرور کی پونجی (سرمایہ) ہے

قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلاً

متاع دنیا (آخرت کی بہ نسبت) قلیل ہے اور آخرت اس سے بہتر ہے

ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ۝

کیا تم آخرت کے بدلے حیواۃ دنیا پر راضی ہو، حالانکہ متاع حیواۃ دنیا آخرۃ کے مقابلہ میں قلیل ہے۔

ان وعد اللّٰہ حق فلا تغرنکم الحیوٰۃ الدنیا ولا یغرنکم باللّٰہ الغرور ۝

تم حیواۃ دنیا پر مغرور نہ ہو

فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا وما لہ فی الاخرۃ من خلاق ۝

جو لوگ صرف دنیا ہی کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

من کان یرید الحیواۃ و زینتہا نوف الیہم اعمالہم وھم فیہا لا یبخسون ۝ اولٰئک الذین لیس لھم فی الاخرۃ الا النار ۝

حیواۃ دنیا اور اس کی زینت کا جو شخص ارادہ کرے۔ اس کو دنیا میں پورا بدلہ مل جائیگا، مگر آخرت میں جہنم کے سوا اس کے لئے کچھ نہیں ہے

من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی کھیتی میں بھی ترقی دیتا ہے۔ اور جو دنیا کی کھیتی چاہے

وَمن کان یرید حرث الدنیا نوته منها و ماله فی الاٰخرۃ من نصیب	اُس کو ہم صرف وہی دینگے اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے
ان الذین لا یرجون لقاء نا و رضوا بالحیواۃ الدنیا وَاطمأنّوا بہا وَ الذین ھم ایاتنا غافلون ۵ اولئك ماوٰلھم النار بما کانوا یکسبون	جو لوگ خدا کے دیدار کے امیدوار نہیں اور حیواۃ دنیا پر راضی اور اسی پر مطمئن ہیں، اور خدا کی آیات سے غافل ہیں، ان کا مقام ان کے اعمال کے معاوضہ میں جہنم ہے۔
بل تؤثرون الحیواۃ الدنیا وَالاٰخرۃ خیر و ابقیٰ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وَموسیٰ ۵	تم حیواۃ دنیا کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی حکم ابراہیم و موسیٰ کے اگلے صحیفوں میں بھی ہے
یعلمون ظاھراً من الحیوٰۃ الدنیا وھُمْ عن الاٰخرۃ ھم غافلون۔	اکثر لوگ صرف ظاہری حیواۃ دنیا کو جانتے ہیں، اور آخرت سے غافل ہیں۔
قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین الذین اتخذوا دینھم لھواً وَلعباً وغرتھم الحیوٰۃ الدنیا	دنیا پر مغرور ہو کر دین کو لہو و لعب بنانے والے اور دنیا پر مغرور ہونے والے کافروں پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتیں حرام

کردی ہیں۔

اولئك الذين اشتروا الحيوٰة الدنيا بالاٰخرة فلا يخفف عنهم العذاب ولا هم ينصرون

آخرت کے معاوضہ میں دنیا کو مول لینے والے کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔

فاما من طغٰی و اٰثر الحیوٰة الدنیا فان الجحیم هی الماویٰ

جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اس کا مقام جہنم ہے۔

غرض اس قسم کی آیتیں جو دنیا کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں بہت ہیں، اور اس کے مقابل دنیا کے راغب یا طالب ہونے ہونے کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ۔

الاٰیاتُ الواردة فی ذمّ الدنیا کثیرة واکثر القراٰن مشتمل علٰی ذمّ الدنیا و صرف الخلق عنها و دعوتهم الی الاٰخرة بل هو مقصود الانبیاء علیهم السلام ولم یبعثوا الّا لذالك

دنیا کی مذمت میں بہت زیادہ آیتیں وارد ہیں، اور دنیا کی مذمت اور لوگوں کو دنیا سے پھرانے اور آخرت کی طرف بلانے پر قرآن کا اکثر حصہ مشتمل ہے، بلکہ انبیا علیہم السلام کی بعثت کی اصلی غرض یہی ہے۔

احادیث رسول اللہ صلعم کو دیکھو کہ ان میں دنیا کی نسبت کیا

تصریح ملتی ہے، چنانچہ چند احادیث کا اقتباس یہاں لکھا جاتا ہے

جس نے دنیا سے محبت رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے آخرت سے محبت رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا پس تم باقی رہنے والی آخرت کو فنا ہو جانے والی دنیا پر ترجیح دو	من احب دنیاہ اضرّ باخرتہ ومن احب آخرتہ اضرّ بدنیاہ فاثروا ما یبقیٰ علیٰ ما یفنیٰ (کنز العمال)
مومن کے دل میں دنیا و آخرت دونوں کی محبت قائم نہیں ہو سکتی جس طرح پانی اور آگ ایک ہی جگہ نہیں رہ سکتے۔	لا یستقیم حب الدنیا والآخرۃ فی قلب مومن کما لا یستقیم الماءُ والنارُ فی اناءٍ واحد (احیاء)
جب تک میری امت میں دنیا کی محبت ظاہر نہ ہوگی وہ اچھی رہیگی	لا تزال امتی بخیر مالم یظھر فیھم حب الدنیا (کنز العمال ج۲)
دنیا کی محبت وہ گناہ عظیم ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اسکی مغفرت کی خواستگاری نہ کرسکیں گے	ذنب عظیم لا یسال الناس اللہ مغفرۃ منہ حب الدنیا (کنز العمال جلد دوم)
دنیا کی محبت تمام خطاؤں کا سر ہے دنیا کی محبت کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔	حب الدنیا راس کل خطیئۃ (۱) اکبر الکبائر حب الدنیا (کنز العمال جلد دوم)

جو شخص دنیا میں پڑ گیا، وہ اپنے کو جہنم میں ڈال دیا

من تقحّم فی الدنیا فهو یتقحم فی النار (کنز العمال ج۲)

دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ملعون ہے مگر اس دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہ ملعون نہیں ہے

الدنیا ملعونة وملعون ما فیها الا ما کان للہ

(کنز العمال جلد۲)

جب میری امت دنیا کی عظمت کرنے لگے گی۔ اس سے اسلام کی ہیبت نکل جائیگی

اذا عظمت امتی الدنیا نُزعت منه هیبة الاسلام

(〃)

اللہ کی قسم مجھے تمہاری فقیری ومحتاجی کا کوئی خوف نہیں ہے۔ لیکن تم پر دنیا کی کشایش ہو جانے کا خوف ہے۔ کہ تم اس کی طرف راغب ہو جاؤ گے۔ جس طرح تم سے پہلی امتوں پر دنیا کشادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ پھر تم کو دنیا ہلاک کر دے گی۔ جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کر دی تھی

واللہ ما الفقر اخشیٰ علیکم ولکنی اخشیٰ علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها فتهلککم کما اهلکتهم

(احیاء)

ان آیات و احادیث سے (جو زیادہ ہیں سے

بہت تھوڑے نقل کئے گئے ہیں ہم دنیا کی نسبت خدا و رسول کی جو تصریحات اور احکام ثابت ہوئے ہیں۔ ان سے نظر کرتے اس سوال کا جواب صاف ہو گیا ہے کہ "ترک دنیا کے کیا معنی ہیں"!

سیّدنا مہدویہ کے نزدیک انہی تصریحات و احکام کی تعمیل کا نام ترک دنیا ہے۔ اور یہ مفہوم عام ظاہری و باطنی۔ ادنیٰ و اعلیٰ تمام مدارج کو جو ان احکام سے مستفاد ہو رہے ہیں۔ حاوی ہے۔ متکلمین کے اصول پر دنیا کا ارادہ نکرنا۔ اس کو پسند نہ کرنا۔ آخرت پر دنیا کو ترجیح نہ دینا۔ اس سے محبت نہ رکھنا دنیا پر مغرور اور مطمئن نہ ہونا۔ دنیا پر مغرور ہو کر دین کو لہو و لعب نہ سمجھنا۔ دنیا کو آخرت کے بدلہ میں مول نہ لینا۔ یہ سب ترک دنیا کی شقیں ہیں۔ یا ترک دنیا کے مفہوم کلی کی جزئیات ہیں۔

ہم مضمون نگار صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ سب صورتیں جو آیات و احادیث سے ثابت ہیں۔ اور جو اسلامی تعلیم کا ضروری جز ہیں۔ کونسے اہل سنت کے نزدیک غیر مستحسن ہیں!

اس سے آگے محققین کے اصول پر ترک دنیا کے معنی کا کھوج لگایا جائے تو ثابت ہے کہ ماسوی اللہ کا نام "دنیا" ہے تو ترک ماسوی اللہ

"ترک دنیا" ہے۔ خدای تعالیٰ سے غافل ہونا "دنیا" ہے تو "ترک دنیا" کے معنی ترک غفلت ہوئے۔ جس کی طرف "لاتکن من الغافلین" (تم غافلین میں شامل مت ہو جاؤ) کا آسمانی اشارہ ہو رہا ہے خودی و ہستی "دنیا" ہے تو ترک خودی و ہستی "ترک دنیا" ہوئی۔ اب مضمون نگار صاحب فرمائیں کہ ان تمام معانی کے نظر کرتے قرآن و احادیث کے منشا کے مطابق جو شخص اپنی قابلیت و استعداد کے موافق کسی بھی درجہ کی "ترک دنیا" کرے تو کیا بقول آپ کے اہل سنت اس کو غیر مستحسن کہہ سکتے ہیں؟ اور پھر وہ اہل سنت بھی ہیں؟

ایک اور واضح پہلو ملاحظہ ہو کہ احادیث میں دنیا کو چھوڑنے کی مختلف الفاظ میں تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ خود شارع علیہ السلام کے فرمان میں "ترک دنیا" کے صریح الفاظ اور اس کی فضیلت صاف طور پر موجود ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

۱۔ اِتَّقُوا الدُّنیا (کنز العمال) تم دنیا سے بچتے رہو۔

۲۔ احذروا الدنیا (〃) تم دنیا سے پرہیز کرو

۳۔ هاجروا من الدنیا وما فیها (〃) تم دنیا و ما فیہا سے جدائی اختیار کرو۔

۴۔ دعوا الدنیا لاهلها (〃) تم دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دو

۵۔ اترکوا الدنیا لأهلها (۶)	تم اہل دنیا کے لیئے دنیا کو چھوڑ دو
۶۔ ترك الدنیا امرّ من الصبر واشد من حطم السیوف فی سبیل الله ولا یترکها احد الا اعطاه الله مثل ما یعطی الشهدآء۔ (۷)	"ترک دنیا" ایلوے سے زیادہ تلخ اور خدا کی راہ میں تلواریں مارنے سے بھی زیادہ شدید ہے۔ جو کوئی "دنیا ترک" کرے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ثواب دیگا جیسا کہ شہدا کو دیتا ہے۔
۷۔ من عرضت له الدنیا والاخرة فاخذ الاخرة و ترك الدنیا فله الجنة و ان اخذ الدنیا و ترك الاخرة فله النار (۸)	جس شخص کو دنیا و آخرت دونوں پیش آجائیں۔ اور اس نے آخرت کو اختیار کر لیا اور دنیا کو ترک کر دیا تو اس کے لیئے جنت ہے، اور جس نے آخرت کو چھوڑ دیا۔ اور دنیا کو اختیار کر لیا تو اس کے لیئے دوزخ ہے

جائے غور اور محل عبرت ہے کہ شارع علیہ السلام تو ترک دنیا کا حکم اور اس کی اس قدر فضیلت ظاہر فرماتے ہیں، اور ہمارے معترض صاحب اس کو غیر مستحسن کہتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اہل سنت کو بھی شارع علیہ السلام کی کا اس علانیہ مخالفت کے مغاک میں دھکیلنے کی کوشش کرتے۔ اور اس غیر مستحسن کہنے کو اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں ہم نہیں سمجھتے

کہ اس سے مہدویہ پر اعتراض کرنا مقصود ہے یا مہدویہ پر اعتراض کرنے کے لباس میں خود اہل سنت پر خدا و رسولؐ کی کھلی مخالفت کا الزام دینا مرکوز خاطر ہے جس کو کوئی سمجھدار اہل سنت تو گوارا نہیں کرسکے گا۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے "ترک دنیا" اور "رہبانیۃ" کو ایک ہی خیال کر لیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ مضمون نگار صاحب بھی اسی غلط فہمی کے بھنور میں پڑے ہوں۔ اس بحث کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ فطرتی قوتوں کا معطل اور بیکار کر دینا جیسے خصی ہو جانا یا کسی عضو کو بے حس بنا دینا یا اور طریقوں سے ان فطری قوتوں کو مٹا دینا "رہبانیۃ" کا مابہ الامتیاز ہے اور "لا رہبانیہ فی الاسلام" اسی کی طرف مشعر ہے۔ لیکن انہی فطریہ کو جائز طریقوں سے استعمال کرنا اور ناجائز طریقوں سے پرہیز کرنا۔ دنیا کو ہیچ اور "آخرت" کو یا "دین" کو اہم سمجھنا اور اسی سمجھنے کے موافق دنیا کے زخرفات۔ لذائذ۔ زینت۔ آسائش وغیرہ سے لاپروا اور خدائتعالٰی کی خوشنودی حاصل کرنیکے لئے عبادت و ریاضت اور دین کی خدمت میں مشغول رہنا "رہبانیۃ" نہیں بلکہ "زہد فی الدنیا" ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے زہد کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ۔

انما الزھد ان تتولے الدنیا لعلمك بحقارتھا بالاضافۃ الی نفاسۃ الأخرۃ

آخرت کی نفاست کے مقابلہ میں دنیا کو حقیر جان کر دنیا کو ترک کرنا زہد ہے۔

ایضاً الزھد عبارۃ عن رغبتہ عن الدنیا عدولاً الی الاخرۃ او عن غیر اللہ عدولاً الی اللہ وھی الدرجۃ العلیا (احیا)

آخرت کی طرف مائل ہو کر دنیا سے روگرداں ہونا زہد ہے۔ یا غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا زہد ہے۔ اور یہ زہد کا اعلیٰ درجہ ہے۔

زہد کی نسبت حدیث شریف میں یہ تصریح وارد ہے کہ

الزھد ان تحب ما احب خالقك وان تبغض ما یبغض خالقك وان تتحرج من حلال الدنیا کما تتحرج من حرامھا فان حلالھا حساب وحرامھا عذاب (احیا)

زہد یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی محبوب شئے سے محبت اور مبغوض شئے سے بغض رکھو اور دنیا کی حلال چیزوں کے استعمال سے بھی تم کو ایسا ہی حرج ہو جیسا کہ حرام سے ہوتا ہے کیونکہ دنیا کی حلال چیزوں کا حساب اور اور حرام پر عذاب ہوگا۔ (ر)

اذا اراد اللہ بعبد خیراً زھدہ فی الدنیا ورغبہ فی الآخرۃ (رر)	جب خدا تعالیٰ کسی بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو زہد فی الدنیا عطا کرتا اور آخرت کی رغبت دیتا ہے۔ (رر)
افضل الناس مومن متزھد (رر)	مومن زاہد سب لوگوں سے افضل ہے (رر)

پس اس سے ثابت ہے کہ دنیا سے روگرداں ہوکر یا اس کو ترک کر کے آخرت کی جانب مائل ہونا یا غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی جانب رجوع ہونا زہد ہے اور جو زہد ہے وہ رہبانیۃ نہیں ہے۔

ہم سب سے پہلے مضمون نگار صاحب کو اور ثانیاً تمام برادرانِ اسلام کو یہ باور کراتے ہیں کہ مہدویہ کے پاس "رہبانیۃ" ناجائز ہے وہ "لا رھبانیۃ فی الاسلام" کے فرمان واجب الاذعان کے سب سے زیادہ معتقد اور عامل ہیں۔ ان کے نزدیک "ترک دنیا" کا حقیقی معنی اور مفہوم اہل شرع کے اصول پر عملاً زہد فی الدنیا اور اہل حقائق کے اصول پر ترک غفلت و ترک خودی و ہستی کے ہیں۔

اس تحقیق کے بعد اصل مسئلہ کا یہ پہلو واضح کیا جاتا ہے کہ "ترک دنیا" جس کو معترض صاحب نے غیر مستحسن اور مہدویہ سے مخصوص سمجھا ہے وہ مہدویہ سے مخصوص نہیں ہے۔

ان برگزیدہ ہستیوں کو جنہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں عام اہل اسلام میں خاص امتیاز اور تفوق حاصل ہے عام اولیاء اللہؒ کے قطع نظر جن کے تفصیلی حالات بیان کرنا موجب طوالت ہے بعض خاص خاص اور مشہور اولیاء اللہ کے حالات پر غور کیا جائے جن کے ہزاروں لاکھوں اہل سنت معتقد ہیں مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ تو ان کے حالات کا جز مشترک یہی پایا جاتا ہے کہ کاروبار دنیوی کے تارک اور اہل دنیا سے یکسو اور عبادت و ریاضت میں مشغول

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں آپکے ترک دنیا کرنے کا واقعہ یہ لکھا ہے کہ آپ کو ترکۂ پدری میں ایک باغ ملا تھا آپ ہمیشہ اسی باغ میں خوش و خرم رہا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت خواجہ شیخ ابراہیم قندوزی مجذوبؒ اس باغ میں تشریف لائے اور اپنی کمل میں سے کسی چیز کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے لعاب دہن میں تر کر کے حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کے منہ میں ڈالدیا جسکے بعد سے آپکا دل دنیا اور معاملات دنیا سے سرد ہونے لگا اور آخر آپنے وہ باغ اور تمام مال و اسباب راہ خدا میں دیدیا اور طلب خدا میں وطن چھوڑ کر سفر اختیار کیا (سوانح مولفہ محمد حافظ اللہ)

آپ کا فرمان ہے کہ

"عارف دنیا کا دشمن ہوتا ہے" "عارف وہی ہے جو دنیا سے منہ پھیر لے" "خدا رسی کیلئے اول زنگار دنیا سے آئینۂ دل کو صاف کرنا ضروری ہے" (مظہر عرفان)

حضرت کے اس واقعہ میں ترک دنیا کے صاف الفاظ مذکور ہیں اور آپکے فرامین میں اس کی ضرورت کا اشارۂ جلی موجود ہے. کیا معترض صاحب بتائیں گے کہ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ فعل اور آپکے یہ فرامین اہل سنت کے ہاں مستحسن ہیں یا غیر مستحسن۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے بعض حالات حضرت ہی کے بیان کردہ نمونہ و مثال کے طور پر یہاں درج کئے جاتے ہیں :۔

"می فرمود مدت بیست و پنج سال صحرائے عراق و خرابہ آں اقامت ورزیدم"۔

"بحالتیکہ، ہیچ کس مرا نمی شناخت و نہ من کسے را شناختم"

"تا مدت چہل سال نماز فجر را بوضوے عشا می گزاردم و تا پانزدہ سال بعد از نماز عشا بر یک پا"۔

"استادہ دست در میخ دیوار زدہ ختم قرآن تا وقت سحر میکردم"

"ہمچنیں دنیا بصورت مختلف جلوہ کردی و عشوہ نمودی گاہ درصورت پری روئے و گاہ چوں پیر تند خوئے"

"بروے بانگ می زدم می گریخت"

کسی سفر کے اثنا میں ایک شخص آپ سے ملا اور اپنے واپس آنے تک اسی مقام پر ٹھہرے رہنے کا وعدہ لیکر چلا گیا اور ایک سال کے بعد آیا اور پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کہکر چلا گیا اور آپ تین سال تک وہیں ٹھہرے رہے. چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"تا سہ مرتبہ ایں چنیں واقع شد نوبت آخر با خود شیر و نان آورد و گفت

کہ من خضرم ماموروم"

"بانیکہ با تو طعام خورم۔ طعام را بخوردیم پس گفت برخیز و در بغداد

رفتہ بنشیں و ترک سیاحت کن"

"پرسیدند کہ دریں مدت سہ سال قوت از کجا بود۔ گفت از ہر چہ

پیدا می شد بر زمین از"

"برگہائے درختاں۔ وغیرہ (مناقب غوثیہ)

دیکھو یہ سب حالات "رہبانیۃ" یا عطالت (بیکاری) نہیں۔

بلکہ زہد فی الدنیا کی بیّن مثالیں ہیں۔ کیا بقول معترض صاحب

کوئی اہل سنت ان کو رہبانیت یا غیر مستحسن کہہ سکتا ہے؟

حضرت ابراہیم ادہم رحؒ نے بادشاہت چھوڑ کر ترک دنیا اور

فقیری اختیار کی۔ کیا ہمارے معترض صاحب ہمیں بتائیں گے کہ آپ

بادشاہت چھوڑ کر کسب معاش و معیشت کیلئے کس قسم کی سعی و عمل کیا

کرتے تھے اور کیا اہل سنت حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے اس

عمل کو غیر مستحسن کہتے ہیں؟

مہدویہ کے پاس ترک دنیا کا بظاہر جو عملی پہلو ہے

وہ انہی اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی پاک زندگی کا

عملی نمونہ ہے۔ نہ یہ "رہبانیۃ" و "عطالت" (بیکاری) ہے نہ اہل سنت

کے پاس غیر مستحسن ہے۔

عام اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ خود صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو تمام کاروبار دنیوی کی تارک اور ہمیشہ تعلیم قرآن و تعلیم دین اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی چنانچہ اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ جن کے حالات کا خلاصہ یہ ہے۔

ھم فقراء المھاجرین کانوا نحواً من اربعمائۃ رجل لم یکن لھم مساکن بالمدینۃ ولا عشائر وکانوا بالمسجد یتعلمون القرآن	وہ فقراء مہاجرین ہیں جو چار سو کے قریب تھے جن کے مدینہ میں نہ گھر تھے نہ قبائل وہ مسجد میں رہتے تھے قرآن کی تعلیم پاتے تھے۔
وکانوا یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللہ صلعم وھم اصحاب الصفۃ لا یتفرغون للتجارۃ وطلب المعاش (معالم)	اور ہر سریہ میں شریک رہتے تھے جن کو رسول اللہ صلعم بھیجتے تھے اور یہ اصحاب صفہ ہیں۔ یہ اصحاب صفہ تجارت اور طلب معاش کیلئے سعی و عمل نہیں کرتے تھے۔

اصحاب صفہ اور دوسرے مہاجرین فقراء کے یہ حالات جو حقیقی معنی میں عملاً ترک دنیا یا زہد فی الدنیا ہیں اور اولیاء اللہ کے حالات جن سے مطابقت رکھتے ہیں۔ تمام صحابۂ کرام اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے روبرو تھے۔ اور کبھی نہ صحابہ نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کو غیر مستحسن فرمایا بلکہ ان حالات والوں کے حق میں بشارتیں دی ہیں اور ان کے مناقب

بیان فرمائے ہیں پھر کوئی مسلمان ان حالات کو رہبانیۃ قرار دے سکتا ہے؟
اور کیا مضمون نگار صاحب فرمائیں گے کہ ان حالات کو کونسے اہل سنت
غیر مستحسن کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں؟

خود آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
سے واقفیت رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلعم قبل بعثت
بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے تجارتی کاروبار فرماتے تجارتی
مال واسباب کے قافلے لیجاتے اور لاتے تھے۔ قریب بعثت آپ سب
کاروبار سے یکسو ہو کر غار حرا میں عزلت گزین رہتے تھے۔ بعثت کے بعد
یعنے جب سے آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی تو حضرت
نے اپنی ذات اقدس کو تبلیغ دین اور خدائے تعالیٰ کی عبادت و
وبندگی کیلئے وقف فرما دیا نہ آپ کے اوقات تجارت میں صرف ہوتے
تھے اور نہ زراعت وملازمت وغیرہ میں۔ بلکہ آپ نے دین کی خدمت
اور عبادت وریاضت کے لئے اپنی ذات اقدس کو وقف فرما دیا
تھا۔ جس میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ اسی حقیقت
کی صاف تصریح اس حدیث میں فرمائی گئی ہے۔ جو ابوذرؓ اور ابومسلم
خولانیؓ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ

ما اوحی الیّ ان اکون تاجراً ولا ان اجمع المال	مجھ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی نہیں کیگئی ہے کہ میں تجارت کروں یا

مکاثر أدلکن اوحی إلیّ ان سبح بحمد ربک وکن من الساجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (کنز العمال)

یا دولتمندی میں دوسروں پر سبقت حاصل کرنے کے لئے مال جمع کروں. بلکہ یہ وحی نازل ہوی ہے کہ اپنے پروردگار کی تسبیح کروں اور اپنی موت تک اس کی عبادت کرتا رہوں۔

زہد فی الدنیا کی یہ انتہا تھی کہ مہینوں گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی جو میسر آجائے اس پر گذر کی جاتی تھی. فاقوں پر فاقے برداشت کئے جاتے تھے. جب لوگ دنیاوی تجمل کے اسباب اور آرام وآسائش کے سامان فراہم کرنے کا مشورہ دیتے تو ارشاد ہوتا کہ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ نے آخرت کا حصہ رکھا ہے. ہم کو اللہ تعالےٰ نے دنیا سے خلق کو نفرت دلانے کے لئے مبعوث کیا ہے.

اس سے بڑھکر یہ کہ جبریل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کا یہ پیام لاتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ان تمام پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ سونے اور چاندی کے بنا دیتا ہے جو آپ جہاں چاہیں وہاں آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے. اور آپ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کر سکیں گے. لیکن آپ فرماتے ہیں کہ جبرئیل مجھے اس کی ضرورت نہیں میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور بھوک پر صبر کروں اور ایک روز کھانا کھاؤں اور خدا کا شکر کروں اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا فقر اضطراری

یا غیر اختیاری نہ تھا۔

ملہ بعض معاندین اسلام نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت پر یہ بدنما الزام لگایا ہے اور بعض ناواقف مسلمان بھی اس کو صحیح خیال کرتے اور یہی کہتے ہیں کہ دوسرے حکمرانوں کی طرح مال غنیمت آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ غنائم جب کبھی آتیں تقسیم کردی جاتی تھیں اور بسا اوقات آپ وہیں بیٹھے ہوئے سب کا سب مال تقسیم کر کے اٹھے اور اپنی ذات اقدس کیلئے کچھ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

بعض وقت مال غنیمت ختم ہو جانے پر بھی لوگ تقاضا کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر زرو مال سے یہ تمام میدان بھرا ہوا ہو تب بھی میں تمھیں کل کا کل مال اسی وقت بانٹ دونگا اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے نیازی کا تو کیا پوچھنا بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ تقسیم مال کے وقت بی بی کے حصہ میں جسقدر مال آیا بی بی نے وہیں بیٹھے ہوئے سب کا سب مال صدقہ کردیا سب مال ختم ہو جانے پر آپکی کنیز نے کہا اگر چند درہم رکھ لئے جاتے تو ہم آج ان سے گوشت خرید لیتے۔ بی بی نے فرمایا اگر تو نے یاد دلایا ہوتا تو تجھے بھی کچھ دیدیتی۔

اس کے قطع نظر جہاد کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوا ہے

مہدویہ کے پاس عملاً ترک دنیا کا یہی معنیٰ ہے کہ اپنے نبی کریم صلعم کی اتباع میں ہر مومن دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے۔ ہمیشہ تبلیغ و تعلیم دین اور اللہ کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے بلکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا وقف کردے کہ اس کا ہر کام ہر بات للہ ہو بلکہ اسکی نظر میں غیر اللہ کا وجود تک باقی نہ رہے کیا معترض صاحب کے سوا کوئی اہل سنت بلکہ کوئی مسلمان بھی ایسا ہوگا جو اتباع رسول کریم صلعم کو غیر مستحسن کہنے کی جرأت کریگا؟ اور کیا کوئی مسلمان بھی اس شخص کے مومن کامل ہونے میں شبہ کرسکتا ہے جو جمیع ماجاء بہ الرسولؐ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ہی اپنے رسولِ کریم کا اس خاص مسلک میں تا بحد امکان پیرو ہو۔

مضمون نگار صاحب نے مسئلہ ترک دنیا پر اعتراض کے ضمن میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کو خطاب کرکے طنزاً یہ لکھا ہے کہ۔

" پھر مجھے اس سے مطلب نہیں کہ آپ مس لے دنیا کو ترک کرنیکے

(بقیہ صفحہ ۱۲۲) ہجرت سے پہلے قیام مکۂ معظمہ کے تیرہ ۱۳ برس کا وہ زمانہ ہے کہ اس وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کفار کے طرح طرح کے ظالم آپ اور آپ کے صحابہ برداشت کرتے تھے اور غنائم کا وجود نہ تھا۔ اگر نعوذ باللہ آپکا ذریعۂ معاش غنائم تھے تو پھر اس طویل مدت میں آپ کی وجہ معیشت کیا تھی ۱۲۔

بجائے اُس سے بہادر یار جنگ ہونے کی حد تک حاصل کیا ہے۔ مومن ہیں یا نہیں"

خدا و رسول کے احکام میں شخصیات و ذاتیات کی کوئی بحث نہیں کہ خاص طور پر زید و عمرو و بکر کا کیا عمل ہے۔ جو آیات و احادیث دنیا کی مذمت میں وارد ہیں اور جن میں سے چند مثال کے طور پر اس سے پہلے لکھی گئی ہیں (دیکھو صفحہ ۱۰۴) ان کو خود معترض صاحب یا کوئی اور شخص دوسروں سے مخصوص کرکے خود کو ان سے مستثنیٰ نہیں خیال کرسکتا کیونکہ وہ جس طرح کسی ایسے مالدار شخص کے لئے جو محض دنیوی اغراض کے تحت مال و دولت حاصل کیا ہو عام ہیں اُسی طرح ایک گُدڑے کو بھی حاوی ہیں اگر اس کی یہ حالت طلب دنیا و حصول دنیا کی غرض پر مبنی ہو یا وہ ان اوصاف سے متصف ہو جن اوصاف کی خدا و رسول نے مذمت کی ہے۔ پس معترض صاحب ان احکام کو پیش نظر رکھکر اول یہ بتائیں کہ کیا یہ احکام کسی شخص خاص یا مہدویہ سے مخصوص ہیں؟ یا تمام مسلمانوں کیلئے عام ہیں۔ اور پھر خود یہ فیصلہ کریں کہ کیا کوئی مسلمان جو خدا اور رسول کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہو محض دنیوی اغراض کے تحت جاہ و مال حاصل کرسکتا اور اس کا ایسا عمل قرآن و احادیث کے مطابق بھی ہوسکتا ہے؟

اس کے علاوہ معترض صاحب کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیائے محمود اور دنیائے مذموم کا امتیاز کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری

بحث دنیائے مذموم سے ہے جو محض دنیوی اغراض پر مبنی ہو اور کسی دینی واخروی غرض کا اس میں شائبہ نہو ورنہ کسی کا جاہ ومال اگر نیک غرض اور للّٰہیت پر مبنی ہو تو وہ دنیائے محمود اور اِلَّا مَا کَانَ لِلّٰہِ کے حکم میں داخل ہے۔ دیکھو صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض صحابہ خلافت راشدہ اور خلیفۃ المسلمین کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے اور بعض ایسے مالدار تھے کہ بہادر یار جنگ بہادر کو ان سے کوئی نسبت نہیں لیکن اس کے باوجود کوئی اہل سنت مسلمان ان کو طلب دنیا یا حب دنیا وغیرہ کا مرتکب قرار دینے کی جراءت نہیں کرسکتا جس کی مذمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے کیونکہ ان کا یہ منصب جلیلہ دین اسلام اور مسلمانوں اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ دینی اغراض پر مبنی تھا اور ان کا مال زخرفات دنیوی کے حصول کے لئے نہیں بلکہ ان کا زاد آخرت تھا۔

آخر میں ترک دنیا کے متعلق مہدویہ کا جو مسلک ہے اور وہ جن اصول پر مبنی ہے اس کو بھی واضح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تمام اسلامی ارکان اور احکام کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ خدا و رسولؐ نے جس امر کی تعریف کی ہے یا جس کا حکم دیا ہے اور جس امر سے منع کیا ہے یا جس کی مذمت کی ہے اس کی نسبت شارع کی تصریح کے مطابق ہر مومن کو ایمان بالجنان (قلب[۱۲]) اقرار باللسان (زبان[۱۲]) عمل بالارکان ضروری ہے بعض علمائے متکلمین ومحققین نے ان تینوں امور کو جزایمان

قرار دیا ہے اور بعض نے ایمان بالجنان واقرار باللسان کو جز ایمان اور عمل بالارکان کو وصف زائد علی الایمان یا شرط کمال ایمان کہا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ خدا ورسول کے حکم سے نماز فرض اور شراب حرام ہے تو ہر مومن کو نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت پر ایمان بالجنان حاصل ہونا چاہیئے اور اس قلبی ایمان کا زبان سے اقرار بھی کرے اس دلی ایمان اور زبانی اقرار کے مطابق مومن کا عمل بھی رہے۔

کسی کا عمل شارع کے حکم کے خلاف ہو مثلاً شارع نے نماز کا حکم دیا ہے۔ وہ اس کا تارک ہو یا شارع نے شراب سے منع کیا ہے وہ اس کا استعمال یا ارتکاب کرے تو یہ قصور عمل [illegible] توبہ سے ہوسکتی ہے۔ جسکا وقت آخر عمر تک ہے بشرطیکہ وہ [illegible] فرضیت [illegible] کی حرمت کے اعتقاد واقرار میں وہ راسخ رہے۔ اگر اس اعتقاد واقرار میں فتور ہو تو اس کے ایمان میں بھی فتور واقع ہوجائیگا اسلئے شراب کو حلال جاننا یا نماز کی فرضیت کا انکار کرنا اہل سنت کے نزدیک موجب کفر ہے کیونکہ یہ قصور عمل نہیں بلکہ شارع کے حکم کا انکار ہے۔

ہر قصور عمل کی توبہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس امر کا شارع نے حکم دیا ہے اسکے ترک کی توبہ کیلئے اسپر عمل کرنا یا عمل کرنیکا عہد کرنا ضروری ہے مثلاً ترک نماز کی توبہ یہ ہے کہ نماز پڑھنا شروع کردے یا آئندہ نماز پڑھنے کا عہد کرے۔ اور جس امر سے شارع نے منع کیا ہے اس کے ارتکاب کی توبہ اُس کا ترک کردینا

یا ترک کرنے کا عہد کرنا ہے. مثلاً شراب پینے کی توبہ یہ ہے کہ شراب ترک کردے یا ترک کر دینے کا عہد کرے.

پس ترک دنیا کا مسئلہ بھی انہی اصول شرعیہ پر مبنی ہے کہ دنیا کی نسبت خدا و رسولؐ نے جس امر سے منع کیا ہے یا اسکی مذمت کی ہے یا اسپر عذاب کی وعید فرمائی ہے ان تمام باتوں پر شارع کی تصریح کے مطابق ہر وقت مومن کو ایمان بالجنان اور اقرار باللسان ہونا ضروری ہے اسکے بغیر وہ مومن نہیں رہسکتا. اس قلبی اعتقاد اور زبانی اقرار کے مطابق اسکا عمل بھی رہے. اگر مومن اس عمل میں قاصر ہے تو اس سے توبہ ضروری ہے اور اس توبہ کا وقت تمام قصور عمل کی طرح آخر عمر تک ہے. چونکہ ہر ممنوع امر کے ارتکاب کی توبہ کے لئے اس کا ترک کرنا یا ترک کا عہد کرنا ضروری ہے اسی لئے ہر وہ مہدوی جو اعلیٰ مدارج ترک دنیا پر فائز نہ ہوا ہو یا عملاً ترک دنیا سے قاصر ہو اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں ترک دنیا کا ضرور اقرار یا عہد کرکے اپنے اس قصور عمل کی تلافی یا توبہ کرلیتا ہے. اور یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دنیا سے اس طرح رخصت ہو کہ عملاً احکام خدا و رسولؐ کا پابند اور جملہ حقوق و ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو اور مال دنیا سے اس کے پاس کوئی چیز نہ رہے.

نہ یہ رہبانیۃ ہے نہ اصول شرعیہ کے منافی اور نہ اہل سنت کے اصول پر غیر مستحسن ہے بلکہ اس عمل میں بھی مہدویہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں

چنانچہ احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم اور یہی عمل پایا جاتا ہے چنانچہ ابو امامہؓ اور ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ

ما من عبد یموت یوم یموت فیترک اصفر او ابیض الا کوی بها یوم القیامة مغفوراً له بعد او معذباً

جو بندہ سونا یا چاندی رکھکر مرتا ہے اس کو قیامت کے روز اس سے داغ دیا جائے گا خواہ وہ اس کے بعد مغفور ہو یا معذب۔

لقد توفی رجل فی عهد رسول الله صلعم فلم یجدوا کفناً فقالوا یا نبی الله انا لم نجد له کفناً فقال التمسوا فی میزره فوجدوا دینارین فقال النبی صلعم کیتان عــه صلوا علی صاحبکم (کنز العمال)

رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ایک شخص فوت ہوگیا اس کے کفن کی کوئی سبیل نہیں تھی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس کے کفن کی کوئی سبیل نہیں پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کی کمر میں تلاش کرو تلاش کرنے پر دو دینار نکلے حضرت نے فرمایا دو داغ ہیں تم لوگ اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو۔

عــه بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ میت میں کوئی دینی نقص پایا جاتا تو آنحضرت صلعم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے اور صحابہ کو صلوا علی صاحبکم فرمایا کرتے تھے مثلاً جب کوئی میت نماز (باقی بر صفحہ ۱۲۹)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس بارہ میں ان احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ

اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا سَرَّنِیْ اَنَّ لِیْ اُحُدًا ذَھَبًا کُلَّہٗ ثُمَّ اُوْرِثُہٗ۔ (کنز العمال)	واللہ مجھے اس کی خوشی نہیں ہے کہ میرے لئے جبل احد کل کا کل سونا ہو جائے اور پھر میں دوسروں کو اس کا وارث بناؤں۔

نے کے لئے لائی جاتی تو آپ دریافت فرماتے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ قرض تو باقی نہیں ہے اگر یہ معلوم ہوتا کہ میت پر کوئی قرض نہیں ہے تو آپ نماز جنازہ ادا فرماتے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ میت پر کسی کا قرض باقی ہے تو آپ صحابہ کو یہی "صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ" فرمادیتے اور خود نماز نہیں پڑھتے تھے۔

بعض روایتوں میں یہ تصریح آئی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے بعض میتیں حاضر کی گئیں اور ان کے ذمہ قرض باقی رہنا معلوم ہوا تو آپ "صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ" فرما کر پلٹ گئے۔ یہ دیکھکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور ایک موقع پر حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میت کا ذمگی قرض میں ادا کئے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ (قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم عَلٰی اَصْحَابِهٖ وَبِیَدِهٖ قِطْعَةٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَسَّمَهَا وَقَالَ) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ قَائِلاً لِرَبِّهٖ لَوْ مَاتَ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ

ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلعم ہاتھ میں سونے کا ایک ٹکڑا لئے ہوئے اپنے صحابہ کے پاس برآمد ہوئے اور فرمایا کہ محمد اپنے پروردگار سے کیا کہیگا اگر وہ اپنے نزدیک یہ رکھکر مرجاوے۔

عائشہ صدیقہؓ سے اسطرح روایت آئی ہے کہ

مَا ظَنُّ مُحَمَّدٍ بِرَبِّهٖ لَوْ لَقِیَ اللّٰهَ وَهٰذِهِ الدَّنَانِیْرُ عِنْدَهٗ

محمد اپنے پروردگار سے کیا گمان کرسکتا ہے اگر وہ اس حالت میں خدا کے پاس چلا جائے کہ یہ دینار اس کے نزدیک موجود رہیں۔

مدارج النبوۃ جلد دوم میں امام بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

روایت است از سہل بن سعد کہ گفت بود نزد رسول خدا صلعم ہفت دینار کہ نہادہ بود نزد عائشہ وچوں مریض شد فرمود بفرست آں ذہب را کہ خرچ کنند بعد ازاں بیہوش شد آنحضرت علیہ السلام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

دیتا ہوں آپ نماز پڑھیں تب آپ نے اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ مال نزدیک رکھکر مرنا بھی ایک ایسا عمل ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس کی وجہ سے صحابہ کو نماز جنازہ پڑھ لینے کا حکم دیدیا اور خود نہیں پڑھی ۔۱۲

و باز داشت عائشہ را ازاں شغلے کہ در خدمتگاری آنحضرت داشت تا فرمود آنحضرت سہ بار و ہر بار عارض شد بیہوشی و عائشہ را مشغولی پس فرستاد آنرا نزد علی و تصدق کرد آنرا و در روایتے آمدہ کہ فرمود آنحضرت علیہ السلام حال آں تکیہ کردہ افتادہ است بر سینۂ عائشہ چہ شد عائشہ آں ذہب گفت عائشہ نزد من است فرمود انفاق کن آنرا و بیہوش شد و چوں بہوش آمد فرمود انفاق کردی آنرا گفت نکردہ ام پس طلب ید و نہاد آں دنانیر را در کف دست مبارک خود فرمود چیست گمان تو محمد بپروردگار خود اگر ملاقی شود او را باین یعنی کہ دنانیر نزد وے باشد۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سات دینار بی بی عائشہؓ کے پاس رکھوائے تھے مرض وفات میں آپ نے تین مرتبہ ان دیناروں کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا اور عائشہؓ آنحضرتؐ کی تیمارداری کی مصروفیت میں صدقہ نہ کر سکیں آخر آنحضرتؐ نے حضرت علی کے ذریعہ ان کو صدقہ کرا دیا۔ دوسری روایت یہ کہ آنحضرت صلعم نے عائشہؓ کو ان دیناروں کے صدقہ کرنے کا حکم دیا پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور دینار صدقہ نہ ہو سکے ہوش آیا تو ان دیناروں کو طلب فرمایا اپنے دست مبارک میں رکھا اور فرمایا محمد اپنے پروردگار سے کیا گمان کر سکتا ہے اگر وہ ایسی حالت میں خدا کے پاس چلا جائے کہ یہ دینار اس کے پاس موجود رہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں کہ

"سبحان اللہ ہمیں زمان ہفت دینار تصدق کردہ شدہ است و وجہ روغن چراغ درخانہ پیدا نیست اینجا اصلا است مرمدعیان طریقۂ اتباع را کہ خانہ پر مال دارند و ذمۂ از دیاد اموال محرمہ مشغول و دعوی محبت خدا و رسول و اتباع او می کنند۔"

حاصل یہ کہ ہمارے معترض صاحب کے جیسے حضرات جو جوش محبت دنیا میں آج ترک دنیا کو غیر مستحسن خیال کرتے ہیں آخر ایک روز اس تمام مال و منال دنیا کو ضرور ترک کرتے ہیں اور جبراً ترک کرتے ہیں لیکن فرق صرف یہ ہے کہ وہ مر کر سب کچھ چھوڑتے ہیں اور ایک مہدوی یہ توبۂ نصوح کر کے اپنے رسول اکرمؐ کی اتباع میں سب کچھ چھوڑ کر مرتا ہے۔

خود تو منصف باش جاناں آں نکو یا ایں نکو

اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار صاحب نے مہدویہ سے مخصوص سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ دیدار کے مسئلہ میں اسلامی فرقوں میں یہ اختلاف ہے کہ معتزلہ وغیرہ بعض فرقوں کے پاس خدا تعالیٰ کا دیدار مطلقاً محال ہے نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں چنانچہ وہ دیدار کے محال ہونے پر کئی عقلی و نقلی حجتیں پیش کرتے ہیں جن کی تفصیلی بحث موجب

طوالت ہے۔

ان فرقوں کے مقابل اہل سنت کے نزدیک دیدار الہٰی محال نہیں ہے بلکہ دیدار کو محال کہنا موجب کفر ہے چنانچہ فتاوی ہندیہ المعروف بہ فتاوی عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کہ

مَنْ قَالَ بِاسْتِحَالَةِ الرُّوْيَةِ فَهُوَ كَافِرٌ۔	جو دیدار کے محال ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے۔

اہل سنت منکرین دیدار فرقوں کی تمام حجتوں کی تردید اور عقلی ونقلی دلائل سے خدا تعالی کا دیدار جائز اور ممکن ہونا ثابت کرتے ہیں۔

اہل سنت کے دونوں مشہور گروہ متکلمین ومحققین نفس دیدار باری تعالی کے جائز وممکن ہونے کی حد تک متفق القول رہنے کے باوجود دیدار آخروی اور دیدار دنیوی کی نسبت کچھ مختلف القول ہیں چنانچہ ہم یہاں اس مسئلہ کی تفصیلی مباحث سے قطع نظر کرتے ہوئے متکلمین کے مسلک اور بعض محققین کے مشرب پر ان کے اقوال وضوابط سے اس مسئلہ کے ضروری پہلو واضح کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اکبر میں ہے کہ۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى يُرٰى فِي الْاٰخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِاَعْيُنِ رُؤُسِهِمْ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ	اللہ تعالی آخرت میں نظر آئیگا اور مومنین اپنے سر کی آنکھوں سے بغیر تشبیہ وکیفیت کے اللہ تعالی کو جنت میں دیکھیں گے اور

وَلَا تَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ مَسَافَةٌ۔

اللہ تعالیٰ کے اور اس کی مخلوق کے مابین مسافت نہوگی۔

شرح مواقف میں جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے دیدار کے متعلق لکھا ہے کہ

قَالَ الْاٰمِدِيُّ اِجْتَمَعَتِ الْاَئِمَّةُ مِنْ اَصْحَابِنَا عَلٰى اَنَّ رُؤْيَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ جَائِزَةٌ عَقْلًا وَاخْتَلَفُوْا فِيْ جَوَازِهَا سَمْعًا فِي الدُّنْيَا فَاَثْبَتَهٗ بَعْضُهُمْ وَنَفَاهُ اٰخَرُوْنَ وَهَلْ يَجُوْزُ اَنْ يُرٰى فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَا وَقِيْلَ نَعَمْ وَالْحَقُّ اَنَّهٗ لَا مَانِعَ مِنْ هٰذِهِ الرُّؤْيَا وَاِنْ لَمْ تَكُنْ رُؤْيَةً حَقِيْقَةً وَلَا خِلَافَ بَيْنَنَا فِيْ اَنَّهٗ تَعَالٰى يَرٰى ذَاتَهٗ۔

اس امر پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا و آخرت میں عقلاً جائز ہے۔ اور نقلاً اس کے دنیا میں جائز ہونے نہونے میں اختلاف ہے بعض علمانے دنیا میں دیدار ہونے کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض نے اس کو بھی ناجائز اور بعض نے جائز کہا ہے اور حق یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے اگرچہ یہ حقیقت میں رویت نہیں ہے ہمارے علما کو اس امر میں کوئی خلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔

شرح عقائد میں لکھا ہے کہ

هٰذَا مُشْعِرٌ بِاِمْکَانِ الرُّؤْیَةِ فِی الدُّنْیَا وَلِهٰذَا اِخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ رض فِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صلعم هَلْ رَاٰی رَبَّهٗ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ اَمْ لَا وَالْاِخْتِلَافُ فِی الْوُقُوْعِ دَلِیْلُ الْاِمْکَانِ وَاَمَّا الرُّؤْیَةُ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ حُکِیَتْ عَنْ کَثِیْرٍ مِّنَ السَّلَفِ وَلَا خِفَاءَ فِیْ اَنَّهَا نَوْعُ مُشَاهَدَةٍ تَکُوْنُ بِالْقَلْبِ دُوْنَ الْعَیْنِ۔

یہ دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے ممکن ہونے کا اشارہ ہے اسی لئے صحابہ رض میں اختلاف ہے کہ نبی صلعم نے معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں اور کسی امر کے واقع ہونے میں اختلاف ہونا خود اس امر کے ممکن ہونے کی دلیل ہے لیکن خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اکثر اسلاف سے منقول ہوا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا مشاہدہ ہے جو قلب سے ہوتا ہے نہ کہ آنکھ سے۔

معراج میں رسول اللہ صلعم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہونے کی دلالت آیات قرآنی میں پائی جاتی ہے جیسے مازاغ البصر وماطغی ایضا ماکذب الفواد ما رای ایضا افتمارونه علی ما یری وغیرها۔

اگرچہ ان آیات قرآنی کا معنی و مطلب بیان کرنے میں مفسرین متقدمین اور مفسرین محققین میں کچھ اختلاف ہے لیکن بعض علما کا قول ہے کہ معراج کے متعلق جس قدر کثیر احادیث وارد ہیں ان میں سے متعدد احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں

شرف دیدار الہی حاصل ثابت ہوتا ہے ان سے تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول پر ان مذکورہ آیات کی تفسیر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ حدیثیں عبداللہ بن عباس۔ جابر بن عبداللہ۔ انس بن مالک معاذ بن جبل۔ ابوذر۔ ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ اور ان کی روایت امام احمد حنبل مسلم۔ ابو داؤد۔ حاکم۔ ترمذی۔ طبرانی۔ دیلمی۔ ذہبی مناوی خطیب وغیرہ محدثین نے کی ہے اور کئی مشہور محدثین ان احادیث کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابوذر۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن الحارث۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبداللہ۔ معاذ بن جبل وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے

حضرت ابن عباسؓ کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے اور اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے چنانچہ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ حاکم۔ طبرانی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو روایتیں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ بعینہ وبفوادہ	رسول اللہ صلعم نے اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے اور اپنے دل سے دیکھا ہے

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دید محمد نہ بچشم دگر   بلکہ بہمیں چشم سر و چشم سر

شرح عقائد کے مذکورہ قول میں اکثر بزرگوں کو خواب میں دیدار الٰہی ہونے کا جو ذکر ہے اس کے ثبوت میں بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں چنانچہ ردالمختار میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اللہ تعالیٰ کو سو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے۔

یواقیت میں لکھا ہے کہ حمزۃ الزیاتؒ نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور طٰہٰ و یٰسین کی قرأت اللہ تعالیٰ کے روبرو کی اور اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر اصلاح فرمائی۔

غرض اس قسم کے واقعات اور بزرگوں کے بہت سے ملتے ہیں۔

اس تمام تقریر سے یہ امور ثابت ہو رہے ہیں کہ متکلمین اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ جنت میں مومنین اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے بلا کیفیت و تشبیہ و بغیر مسافت کے دیکھیں گے دنیا میں دیدار الٰہی جائز و ممکن ہے۔

معراج میں حضرت سرور کائنات محمد صلعم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونے کی تصریح احادیث میں پائی جاتی ہے اور متعدد صحابہ اس کے قائل ہیں۔

خواب میں اور قلبی مشاہدہ کی حد تک دیدار الٰہی ہو سکتا ہے اور کئی بزرگوں کو ہوا ہے۔

اس کے مقابل محققین صوفیہ دنیا ہی میں اور بیداری میں

سر کی آنکھوں سے۔ دیدار الٰہی ہونے کے قائل ہیں چنانچہ مشرب صوفیہ رکھنے والے اصحاب کے بعض اقوال بطور نمونہ ومثال یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔

بہ طور ما نباشد منع دیدار مگر ایں راز با موسیٰ بگوئید

کسی کا قول ہے۔

ما را برائے دیدن یار آفریدہ اند ورنہ وجود ما بچہ کار آفریدہ اند

حضرت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست روزے رخش بہ بینیم و تسلیم وے کنم

حضرت جامیؒ نے "نفحات الانس" میں حضرت عبداللہ بلیانیؒ کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

تا حق بدو چشم سر نہ بینیم ہر دم از پائے طلب من نہ نشینیم ہر دم
گویند خدا بچشم سر نتواں دید آں ایشاں اند و من چنینیم ہر دم

کسی نے کہا ہے۔

امروز دراں کوش کہ بینا باشی حیران جمال آں دل آرا باشی
تر مست بادیچو کو دکاں در شب عید تا چند در انتظار فردا باشی

آخرت میں مومنین کو دیدار ہونے کے متعلق منکرین دیدار فرقوں کی تردید میں جو وجوہ و دلائل متکلمین پیش کرتے یا خواب میں یا قلب سے اس کے ممکن ہونے کے جن توجیہات کی بنا پر قائل ہیں محققین دنیا میں اور حالت بیداری میں اور سر کی

آنکھوں سے دیدار باری تعالیٰ کا جائز ہونا انہی وجوہ و دلائل سے ثابت کرتے ہیں چنانچہ فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ

فَعُلِمَ اَنَّہٗ کُلَّمَا جَازَ وُقُوْعُہٗ فِی الْمَنَامِ وَالدَّارِ الْاٰخِرَۃِ جَازَ وُقُوْعُہٗ وَتَعْجِیْلُہٗ لِمَنْ شَاءَ فِی الْیَقْظَۃِ وَالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (باب ۲۱۸)

پس معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو خدا چاہے بیداری اور اس زندگانی دنیا میں بھی اس کیلئے دیدار واقع ہونا جائز ہے

اَیْضًا۔ وَاِذَا صَحَّ اَنَّ الْعَقْلَ یُدْرِکُ الْحَقَّ تَعَالٰی جَازَ اَنْ یُدْرِکَہٗ بِالْبَصَرِ مِنْ غَیْرِ اِحَاطَۃٍ لِاَنَّہٗ لَا فَضْلَ لِمُحْدَثٍ عَلَی الْمُحْدَثِ مِنْ حَیْثُ الْحُدُوْثِ (باب ۳۶۹)

جبکہ (متکلمین کے پاس) عقل سے خدائے تعالیٰ کا ادراک صحیح ہے تو بغیر احاطہ کے بصر سے بھی اس کا ادراک جائز ہے اسلئے کہ عقل اور بصر دونوں بھی حادث ہیں اور حادث کو دوسرے حادث پر حدوث کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اَیْضًا۔ وَمَنْ قَالَ اِنَّ الْحَقَّ یُدْرَکُ عَقْلًا وَلَا یُدْرَکُ بَصَرًا فَمُتَلَاعِبٌ لَا عِلْمَ لَہٗ بِحُکْمِ الْعَقْلِ وَبِحُکْمِ الْبَصَرِ وَلَا بِالْحَقَائِقِ عَلٰی مَا ھِیَ عَلَیْہِ۔ (ایضاً)

جو یہ کہے کہ حق تعالیٰ کا ادراک عقلاً ہو سکتا ہے اور بصر سے نہیں ہو سکتا تو وہ متلاعب ہے جس کو عقل اور بصر اور حقائق کا کماحقہ علم ہی نہیں ہے۔

حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ

إِنَّ اللّٰهَ احْتَجَبَ عَنِ الْقُلُوبِ كَمَا احْتَجَبَ عَنِ الْأَبْصَارِ فَإِنْ أَوْقَعَ تَجَلِّيًا فَالْبَصَرُ وَالْفُؤَادُ وَاحِدٌ (عرائس البیان)	اللہ تعالیٰ جس طرح آنکھوں سے حجاب میں ہے قلوب سے بھی حجاب میں ہے پس اگر وہ اپنی تجلی ڈالے تو پھر آنکھ اور دل دونوں ایک ہیں۔

اسی حقیقت کو کسی نے اس طرح ظاہر کیا ہے کہ

دمیکہ حسن کند میل خودنمائی ہا — زچشم سنگ تواند نگاہ پیدا کرد

یعنے جب حسن ازلی کو خودنمائی منظور ہو تو وہ آدمی سے تو کیا عجب پتھر میں بھی قوت نظر پیدا کر سکتا ہے۔

اس تمام تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ بقول معترض صاحب اگر عقیدہ میں بچشم سر یا خواب میں دیدار الٰہی ہونے کا ذکر ہے تو مہدویہ کا یہ مسلک بھی اہل سنت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ متکلمین دنیا میں دل سے یا خواب میں دیدار الٰہی ہو سکنے کے قائل ہیں۔ اور محققین کے پاس دنیا میں۔ حالت بیداری میں سر کی آنکھوں سے بھی دیدار خداوندی جائز ہے۔ اور مہدویہ کا مسلک بھی دیدار کے مسئلہ میں ان تمام مدارج کو حاوی ہے

رہا معترض صاحب کا یہ اعتراض کہ جو شخص خدا کو بچشم سر یا خواب میں نہ دیکھے عقیدہ کی رو سے کیا مومن ہو سکتا ہے۔

اس اعتراض کے اس خاص پہلو کا جواب ادا کرنیسے قبل ہم کو مجبوراً پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ مضمون نگار صاحب نے غالباً راست

مہدویہ کی کتابوں سے ان مضامین کو اخذ نہیں کیا ہے بلکہ کسی مخالف مہدویہ نے جو کچھ لکھدیا ہوگا وہ بلا غور و فکر اور صحت و غلطی کی جانچ کئے بغیر نقل کر دیا ہے جو دیانت اور انصاف پسندی کے خلاف ہے کیونکہ عام مقولہ ہے کہ "باطل است انچہ مدعی گوید"۔

اگر مہدویہ کی کتابوں سے اپنا اعتراض مرتب کئے ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جس حکم میں دیدار کے اعلیٰ و ادنیٰ مدارج یعنے بچشم سر یا بچشم دل یا در خواب مذکور ہیں اسی میں طالب صادق مومن کے حکم میں داخل ہونا بتایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی مومن طلب دیدار خدا سے خالی نہیں ہے اس لئے وہ ضرور مومن کہلایا جا سکتا ہے۔

اس کے قطع نظر اس قسم کے بہت سے احکام قرآن شریف اور احادیث رسول کریم صلعم میں موجود ہیں جن سے خاص صفت یا خاص عمل پر ایمان و اسلام کا موقوف ہونا ثابت ہوتا ہے مگر علما نے ان کی نسبت یہ بیان کیا ہے کہ ان احکام میں اگرچہ نفس ایمان و اسلام ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے اسلام و ایمان کا کمال مراد ہے۔ چنانچہ امام نووی نے بعض احادیث کی نسبت جن میں اسی قسم کے احکام وارد ہیں۔ لکھا ہے کہ

وَهٰذَا مِنَ الْاَلْفَاظِ الَّتِيْ تُطْلَقُ عَلٰى نَفْيِ الشَّيْءِ وَيُرَادُ بِهٖ نَفْيُ كَمَالِهٖ وَمُخْتَارِهٖ۔	یہ ان الفاظ سے ہے جن کا اطلاق کسی چیز کی نفی پر کیا جاتا ہے اور اس سے اس شی کے کمال کی نفی مراد ہوتی ہے۔

پس یہاں بھی یہی معنی ہوسکتے ہیں کہ جو لوگ خداتعالیٰ کے دیدار سے کسی نہ کسی طرح مشرف ہوں وہ کامل مومن ہیں اور جو مطلق مشرف نہوں وہ کامل مومن نہیں ہیں اس سے نفس ایماں کی نفی لازم نہیں آتی اگر ایسا نہو تو پھر خدا و رسول کے اسی قسم کے بیشمار احکام میں بھی نفس اسلام و ایمان کی نفی تسلیم کرنا پڑیگا مثلاً خدا و رسول کے یہ فرامین کہ

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الکافرون

خدا نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کا جو لوگ حکم نکریں وہ کافر ہیں۔

فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ولا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

اے محمد تمہارے پروردگار کی قسم ہے وہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے منازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں اور تم جو حکم دیں اس سے ان کے دل میں کوئی خلجان تک نہو اور اس کو تسلیم نکرلیں۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ماله وولده والناس اجمعین

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں تم سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے مال اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

لآ ایمان لمن لا امانۃ له ولا دین لمن لا عهد له	جس شخص میں امانت نہو اس کو ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہو اس کو دین نہیں۔
اَلمسلم من سلم المسلمون من یدہٖ ولسانه	مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ اور سلامت رہیں۔
من ترك الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر	جس نے نماز کو عمداً ترک کیا وہ کافر ہوا۔
لیس بمومن من بات شبعانا وجارہٗ جائع۔	وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور خود پیٹ بھر کھا کر رات گزارے۔

پس ہم مضمون نگار صاحب سے پوچھتے ہیں کہ خدا و رسول کے ان احکام کو پیش نظر رکھکر وہ بتائیں کہ جو شخص اپنی ذاتی رائے یا ذاتی غرض کے مقابل رسول اللہ صلعم کے حکم کو تسلیم نکرے یا اس کو اپنا مال اور اولاد رسول اللہ صلعم سے زیادہ عزیز و محبوب ہوں یا امر معروف و نہی منکر نکرے جیسا کہ آج بہت سے مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ یا وہ لوگ جو امانتدار یا عہد کے پابند نہوں یا جن کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہوں یا جو لوگ عمداً نماز کے تارک ہوں یا بھوکے پڑوسیوں کی ہمدردی

نکریں اور خود شکم سیر رہیں کیا وہ سب ان احکام کی رو سے مومن مسلمان کہلائے جاسکتے ہیں؟ فنما هو جوابكم فهو جوابنا
(ان کا جو جواب آپ دیں گے وہی ہمارا جواب ہو سکتا ہے)

اور کیا ہم خاصکر یہ سوال کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ جس شخص کے ہاتھ یا زبان قلم سے عام مسلمان تو درکنار سبط نبی دلبند فاطمہ وعلی حضرت امام حسین اور دوسرے ائمہ ہدیٰ اور انبیا علیہم السلام تک محفوظ نہوں۔ اور ہدف طعن و تشنیع بنے ہوں اور جس کا نگارستان انگار کے صفحات میں موجود ہو کیا وہ ان احکام کی رو سے مسلمان کہلایا جاسکتا ہے اور کیا علماء اہل سنت ایسے شخص کو ان احکام کے نظر کرتے مسلمان کہہ سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم حاصل ہونے میں مومنین کے جو درجے مختلف ہیں اس کی تشبیہ اور مثال بعض علمانے یہ دی ہے کہ ایک حسین پردۂ ناز میں خلوت گزیں ہے۔ اور ایک شخص قابل اعتماد ذریعوں سے سنکر یہ یقین رکھتا ہے کہ ایک حسین اس پردۂ ناز میں ہے۔

ایک شخص بعض علامات و آثار یا دلائل کی بناء پر یقین رکھتا ہے کہ اس پردۂ ناز میں ضرور ایک حسین موجود ہے۔

ایک شخص پردہ اٹھاکر اس حسین کے حسن عالم افروز کا نظارہ کرکے اس کے وجود کا یقین حاصل کرتا ہے۔

رازِ درون پردہ زرندانِ مست پرس ۔ ایں حال نیست زاہد عالی مقام را

اس پردہ نشین جملۂ ناز کا علم و یقین ان تینوں اشخاص کو حاصل ہے لیکن ان کے علم و معرفت کے مدارج مختلف ہیں پہلی صورت عام مومنین کے علم و معرفت کی سی ہے دوسری صورت علمائے متکلمین و فلسفین کی تمثیل ہے جو دلائل و براہین سے وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں۔ تیسری صورت ان عارفین کاملین کی مثال ہے جو استدلالی طریقہ کو ناقص سمجھنے اور عیاناً دیکھکر ایمان رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ سماعی و استدلالی علم و معرفت سے وہ ایمان جو مشاہدہ سے حاصل ہوا ہو یا یوں کہو کہ علم الیقین سے عین الیقین و حق الیقین ضرور کامل ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ۔

اِنَّ الْقُلُوْبَ الصَّافِيَةَ مَجْبُوْلَةٌ عَلٰى حُبِّ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ عَلٰى اَكْمَلِ الْوُجُوْهِ وَاَكْمَلُ طُرُقِ الْمَعْرِفَةِ هُوَ الرُّؤْيَةُ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)	صاف قلوب خدا تعالیٰ کی معرفت کامل تریں وجہ پر حاصل کرنے کیلئے فطرتاً مائل ہیں اور کامل ترین طریقہ معرفت رویت باری ہے۔
ایضاً اِنَّ الْعِلْمَ بِالشَّئِ يُجَلِّي لِذٰلِكَ الشَّئِ وَالْاِبْصَارُ اَيْضًا مُجَلِّي لِذٰلِكَ الشَّئِ اِلَّا اَنَّ الْاِبْصَارَ فِي كَوْنِهٖ مُجَلِّيًا	کسی چیز کا علم حاصل ہونا اس چیز کو ظاہر کر دیتا ہے اور کسی چیز کو دیکھنا بھی اس چیز کو ظاہر کرتا ہے مگر اس کا علم ہونے سے زیادہ دیکھنے سے

اکمل من العلم بہ (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ)	اس کا کامل ظہور ہوتا ہے۔

پس محققین اہل سنت کے نزدیک دیدار خداوندی کمال ایمان کی ضرور شرط ہے اور عقیدہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو کسی نہ کسی طرح بھی خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا ہو وہ کامل مومن ہے۔ پھر معترض صاحب نے اس مسئلہ میں مہدویہ اور اہل سنت کے درمیان جو اختلاف بتانے کی کوشش کی ہے وہ اس توجیہ پر باقی نہیں رہتا۔ اس مسئلہ کا ایک اور روشن پہلو دیکھو۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔

من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی واضل سبیلا۔	جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہے پس وہ آخرۃ میں اندھا اور گمراہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متکلمین و محققین میں اپنے اپنے اصول کے تحت جو اختلاف ہے ان کے نظر کرتے بعض اقوال تمثیلاً یہاں لکھے جاتے ہیں۔ علمائے متکلمین سے امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ۔

من کان فی ھذہ الدنیا اعمٰی عن معرفۃ اللہ فھو فی الاخرۃ اعمٰی عن طریق الجنۃ	جو شخص اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا ہو وہ آخرت میں جنت کے راستہ سے اندھا رہے گا

محققین سے علامہ روزبہان آیت "نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ" کے تحت لکھتے ہیں کہ

یعنی جاھلاً بوجود الحق کما کان جاھلاً فی الدنیا کما قال علی بن ابی طالب من لم یعرف اللہ فی الدنیا لا یعرفہ فی الآخرۃ (عرائس)

یعنے آخرت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کے وجود سے اسی طرح جاہل رہیگا جس طرح دنیا میں جاہل تھا جیسا کہ علی بن ابی طالب نے فرمایا ہے کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عارف نہو وہ آخرت میں عارف نہ ہوگا۔

نیز آیت "من کان فی ھذہ اعمیٰ" کے تحت لکھتے ہیں کہ

من سمع فی الدنیا ذکرہ ولم یرہ بنعت ظہور الصفات فی الآیات لن یراہ بوصف کشف الذات (ص)

جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر سنا اور آیات میں ظہور صفات کی نعت سے اسکو نہیں دیکھا وہ آخرت میں کشف ذاتی کی حیثیت سے نہیں دیکھے گا۔

کسی نے کہا ہے۔

امروز ندیدی تو اگر روئے صنم را
فردائے قیامت رخ جاناں چہ شناسی

حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اور زیادہ واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

رمز من کان ہٰذہ اعمیٰ
بشنوید اے خران کودن سار
ہر کہ اینجا ندید محروم است
در قیامت ز لذت دیدار

ان تمام اقوال سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے دیدار سے مشرف ہونے کو دخول جنت اور جنت میں دیدار ہونے سے کس قدر گہرا تعلق ہے اور انہی سے معترض صاحب کا یہ اعتراض خود حل ہو جاتا ہے کہ محققین اہل سنت کے پاس دیدار دنیاوی ایمان کی شرط ہے یا نہیں۔

اگرچہ مضمون نگار صاحب کے پاس سوال کے جواب میں کہ آپ نے خدا کو کب اور کس طرح دیکھا۔ دل چاہتا ہے کہ دیدار کے مسئلہ کی حقیقت اور سالک کے فنائے وصفی و فنائے ذاتی کے رموز و اسرار بیان کئے جائیں تاکہ معلوم ہو کہ دیدار کب اور کس طرح ہوتا ہے اور جو شبہات مضمون نگار صاحب کے جیسے لوگ اس میں پیش کرتے ہیں ان کی کہاں گنجائش ہے۔

ہمہ ذرات جہاں محو تماشا گردند ۔ گر بایں بیخبراں چاشنیٔ راز دہم

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ معمولی معمولی باتوں کو بھی کچھ سے کچھ سمجھ لیا جا رہا ہے تو حقیقی عشق و محبت کے دقائق کیا سمجھیں گے۔ اس لئے ہم اسی مذکورہ بیان پر اکتفا کرتے ہیں اور مضمون نگار صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ ان مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو پہلے سالکان طریقت سے اس فن کا مذاق صحیح حاصل کریں۔

گر ز عشقت خبرے ہست بگو اے واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

(۴) مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے کہ

"کیا سید محمد صاحب نے اہل سنت کی فرض نمازوں کے علاوہ ایک نماز ۲۷ رمضان کی فرض قرار نہیں دی (ملاحظہ ہو تالیف سید محمد مصطفیٰ) اور کیا انہوں نے مال کی قلت اور وکثرت دونوں حالتوں میں زکوٰۃ میں بجائے چالیسویں حصہ کے دسواں حصہ ادا کرنا فرض قرار نہیں دیا (ملاحظہ ہو زبدۃ البراہین مصنفہ سید عبدالرحیم بن سید اسحاق بن عبدالحی مہدوی) حیرت ہے کہ باوجود اس کے اصول و فروع دونوں میں اپنے آپ کو اہل سنت کا مماثل کہتے ہیں۔ علمائے اہل سنت سے دریافت کیجئے کہ وہ ان بدعات کے مخترع کو کیا کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہیں"

ان اعتراضات کا جواب ادا کرنے سے قبل براعۃ الاستہلال کے طور پر چند امور کے واضح کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جن سے ناظرین کو اصل مسئلہ کے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

اولاً یہ کہ تمام دینی احکام جو آیات و احادیث سے نکلے یا نکالے گئے ہیں ان کے استخراج میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و تبع تابعین اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اور علمائے امت میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلافات ماخذ کے اختلاف پر مبنی ہیں

مثلاً اگر کسی نے کسی آیت و حدیث کی بنا پر ایک حکم لگایا ہے
دوسرے نے دوسری آیات و روایات یا دوسرے نظریہ کے
تحت احکام لگائے ہیں۔ ان مختلف احکام میں بہت ممکن ہے
کہ کسی کا استدلال قوی اور کسی کا ضعیف ہو کسی کی رائے ماخذ سے
احکام نکالنے میں صحیح واقع ہوئی ہو اور کسی میں رائے کی غلطی موجود
ہو لیکن جبکہ ان سب کی بنا قرآن و حدیث ہیں ان میں سے کسی کے
قول کو احکام دین اسلام سے جدا اور خارج نہیں کہا جا سکتا چنانچہ
اختلاف ائمہ کے متعلق پیروان مجتہدین اہل سنت کا یہ مشہور ضابطہ
اسی اصول پر مبنی ہے کہ

الحقُّ دائرٌ بینَ الائمّةِ الاربعةِ — حق چاروں ائمہ (مجتہدین) میں دائر ہے۔

ثانیاً یہ کہ فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب وغیرہ اصطلاحی الفاظ
ہیں اور خدا اور رسول کی طرف سے عبادات میں کسی فعل کے فرض و
واجب یا سنت و مستحب ہونے کی تصریح بہت کم کی گئی ہے۔ بلکہ
مجتہدین نے شارع کے حکم کی اہمیت اور تاکیدات وغیرہ قرائن کے
نظر کرتے قیاس و اجتہاد کی بنا پر کسی فعل کو فرض کسی کو واجب کسی کو
سنت کسی کو مستحب قرار دیا ہے اسی لئے ایک ہی فعل ایک مجتہد
کے پاس فرض ہے تو دوسرے کے پاس واجب تیسرے کے
پاس سنت یا مستحب ہے۔ مثلاً وضو میں امام اعظم ربع سر کا مسح

فرض بتاتے ہیں اور پورے سر کا مستحب۔

اسکے برخلاف امام مالک رح کے پاس پورے سر کا مسح فرض ہی اس سے بھی واضح مثال یہ کہ امام شافعی رح نے مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کی قرات کو فرض کہاہے تو امام اعظم رح نے اس کو مقتدی کے لئے ناجائز ٹھہرایا ایسے وضو کے متعلق بالاتفاق نص قاطع یہ آیت ہے۔

یاایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین الآیہ۔	اے بندگان مومنین جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور دونوں ہاتوں کو کہنیوں تک دھو اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھو۔

اس آیت وضو میں منہ اور ہاتھ دھونا۔ سر کا مسح کرنا (بقول اہل سنت[1]) ٹخنوں تک پاؤں دھونا صرف یہ چار فعل مذکور ہیں۔ لیکن بعض ائمہ مجتہدین نے اس نص قرآنی پر بعض احادیث یا سیاق کلام وغیرہ کی بناء پر زیادتی کی ہے چنانچہ امام مالک رح کے پاس ان اعضاء وضو کا پے در پے دھونا اور امام شافعی رح کے پاس نیت کرنا امام احمد حنبل رح کے پاس وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا فرض ہے۔ اور امام اعظم رح کے پاس یہ سب مستحبات سے ہیں۔

اسی طرح زمین سے اگنے اور بوئے جانیوالی چیزوں میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہوسے پر ائمہ متفق ہیں اور یہ آیت ان

[1] اہل تشیع پاؤں کا مسح کرتے ہیں ۱۲

کی دلیل ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید ہ

اے بندگان مومنین اپنی کمائی کی پاک چیزوں میں سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو اور گندی چیز کو راہ اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا قصد نکرو جس کو تم خود آنکھ بند کئے بغیر نہ لوگے آگاہ رہو کہ اللہ بے پرور اور خوبیوں والا ہے۔

لیکن کن چیزوں میں عشر واجب ہے اور کن میں نہیں اس مسئلہ میں ائمہ میں اختلاف ہے مثلاً امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے پاس عشر واجب ہونیکے لئے زمین سے اگنے والی چیزوں کا ذخیرہ اور غذائیت کے قابل ہونا شرط ہے اور امام احمد حنبلؒ ذخیرہ ہوسکنے اور ماپے جانے کا اعتبار کرتے ہیں۔ اس اصول پر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان ائمہ میں سے بعض کے پاس ان کا عشر ادا کرنا واجب ہے اور بعض کے پاس بالکلیہ واجب نہیں ہے مثلاً تل۔ لوز۔ السی۔ رائی وغیرہ میں امام احمد کے پاس عشر ادا کرنا واجب ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے پاس واجب نہیں ہے (میزان شعرانی ملخصاً)

ان اماموں کے برخلاف امام اعظمؒ کے پاس خود رونے گھاس۔ جلانیکی لکڑی کے سوا زمین سے اگنے والی ہر چیز میں عشر

ادا کرنا واجب ہے خواہ وہ ذخیرہ بنانے کی صلاحیت اور غذا کی قابلیت رکھتی ہو یا نہو۔ بلکہ نئے گھاس۔ جلانیکی لکڑی بھی اگر حفاظت و کوشش سے حاصل ہوں تو ان کا بھی دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے پاس روئی میں عشر واجب نہیں ہے اور اور امام ابو یوسفؒ کے پاس روئی میں بھی عشر واجب ہے (میزان شعرانی)

اسی طرح امام احمد حنبلؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ کے پاس عشر واجب ہونیکے لئے عشری چیز کی مقدار پانچ وسق یعنے تخمیناً دو ہزار چار سو رطل بغدادی یا بقول امام غزالیؒ آٹھ سو من ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو تو عشر واجب نہو گا اور امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس کوئی مقدار شرط نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کی مقدار خواہ تھوڑی ہو یا بہت سب میں دسواں حصہ (عشر) ادا کرنا واجب ہے۔

ثالثاً یہ امر قابل غور ہے کہ استخراج مسائل میں امام مہدی علیہ السلام اور ائمہ مجتہدین میں کیا نسبت ہے اس بارے میں چند علمائے اہل سنت کے اقوال بحث عصمت میں پیش کئے گئے ہیں یہاں چند اقوال اور نقل کئے جاتے ہیں جن سے اس مسئلہ کی توضیح ہوسکیگی چنانچہ ملا علی قاری رسالہ المشرب الوردی میں لکھتے ہیں۔

وَکَذَا مِنَ الْاِفْتِرَاآتِ اِنَّ الْاِمَامَ الْمَهْدِیَ ؑ یُقَلِّدُ

• یہ بات بھی ایک افتراء ہے کہ مہدی علیہ السلام

اَبَا حَنِیْفَةَ لِاَنَّہٗ مُجْتَہِدٌ مُطْلَقٌ لَایَجُوْزُلَہُ التَّقْلِیْدُ۔	ابو حنیفہ کی تقلید کریں گے کیونکہ امام مہدی مجتہد مطلق ہیں آپ کو کسی کی تقلید جائز نہیں ہے

لیکن اصولاً ملا علی قاری کے قول کا یہ حصہ قابل تسلیم نہیں ہے کہ مہدی علیہ السلام کی ذات مجتہد مطلق ہے اس لئے کہ آپ نہ مجتہد مفید ہیں نہ مجتہد مطلق کیونکہ مجتہد کی نسبت اہل سنت کا اتفاق ہے کہ

اَلْمُجْتَہِدُ قَدْ یُخْطِیٔ وَقَدْ یُصِیْبُ۔	مجتہد کا قول خطا وصواب کا محتمل ہوتا ہے

اس کے برخلاف مہدی علیہ السلام کی عصمت پر اکابرین اہل سنت نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ

اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ یَقْفُوْاَثَرِیْ وَلَایُخْطِیٔ۔	مہدی میری اولاد سے ہیں میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔

اسی بنا پر محققین اہل سنت نے ملا علی قاری کے اس قول کی تردید کی ہے چنانچہ علامہ طحطاوی حاشیہ در المختار میں لکھتے ہیں کہ

رَدَّ عَلِیُّ الْقَارِیْ قَوْلَ الْقَائِلِ اِنَّ الْمَھْدِیَّ یُقَلِّدُ اَبَا حَنِیْفَةَ بِالدَّلَائِلِ الشَّافِیَةِ لٰکِنَّہٗ قَرَّرَ اِنَّہٗ مُجْتَہِدٌ مُطْلَقٌ وَھُوَ یُخَالِفُ مَاعَنِ الشَّیْخِ مُحْیِ الدِّیْنِ فِی الْفُتُوْحَاتِ	ملا علی قاری نے اس شخص کے قول کو دلائل شافیہ سے رد کیا ہے جو کہتا ہے کہ مہدی علیہ السلام ابو حنیفہ کی تقلید کریں گے مگر ملا علی قاری نے مہدی علیہ السلام کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے اور یہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے

إِنَّ المَهدِي لَا يَعلَمُ القِيَاسَ
لِيَحكُمَ بِهِ وَاِنَّمَا يَعلَمُهُ
لِيَجتَنِبَهُ فَمَا يَحكُمُ المَهدِي
اِلَّا بِمَا يُلقِي اِلَيهِ المَلَكُ مِن
عِندِ اللهِ تعـ الَّذِي بَعَثَهُ
اللهُ تعـ لِيُسَدِّدَهُ وَذَالِكَ هُوَ
الشَّرعُ الحَنفِي المُحَمَّدِي
الَّذِي لَو كَانَ مُحَمَّدٌ صلعم حَيًّا
وَرُفِعَت اِلَيهِ تِلكَ النَّازِلَةُ
لَم يَحكُم فِيهَا اِلَّا بِحُكمِ
المَهدِي فَيُعلَمُ اَنَّ ذَالِكَ
هُوَ الشَّرعُ المُحَمَّدِي فَحُرِّمَ
عَلَيهِ القِيَاسُ مَعَ وُجُودِ
النُّصُوصِ الَّتِي مَنَحَهُ اللهُ
اِيَّاهَا وَلِذَا قَالَ عليه السَّلَامُ
يَقفُو اَثَرِي وَلَا يُخطِي فَعَرَّفَنَا
اِنَّهُ مُتَّبِعٌ لَا مُشَرِّعٌ اِلٰى هُنَا
كَلَامُ الفُتُوحَاتِ فَعَلٰى هٰذَا المَهدِي
لَيسَ بِمُجتَهِدٍ اِذَا المُجتَهِدُ

قول کے مخالف ہے جو انہوں نے
فتوحات میں لکھا ہے کہ مہدیؑ کو اس
وجہ سے قیاس کا علم نہیں ہے۔ کہ
آپ اس کی رو سے حکم کریں بلکہ اس
وجہ سے قیاس کا علم ہے کہ مہدیؑ
قیاس سے پرہیز کریں۔ پس مہدی علیہ
السلام اسی بات کا حکم کریں گے جو
فرشتہ ان کو القا کرتا ہے اس فرشتہ
کو خدا تعالیٰ نے اسی لئے مبعوث کیا ہے
اور یہی شرع محمدی ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم
کی ذات مقدس زندہ ہوتی اور آپ کے
حضور میں وہ مقدمہ پیش کیا جاتا تو
آپ وہی حکم دیتے جو مہدی علیہ السلام
نے دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ
یہی شرع محمدی ہے۔ پس ان صریح
دلائل کے ہوتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے
مہدی علیہ السلام کو عطا کئے ہیں آپ
کے لئے قیاس حرام ہے اور اسی وجہ
سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ

يَحْكُمُ بِالْقِيَاسِ وَهُوَ يَحْرُمُ عَلَيْهِ الْحُكْمُ بِالْقِيَاسِ وَلِأَنَّ الْمُجْتَهِدَ يُخْطِئُ وَهُوَ لَا يُخْطِئُ قَطُّ فَإِنَّهُ مَعْصُومٌ فِي أَحْكَامِهِ بِشَهَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مقدمہ)

مہدی میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ مہدی مُتَّبِع ہیں مشرِّع نہیں ہیں یہاں تک فتوحات کا کلام تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد قیاس سے حکم کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام پر قیاس سے حکم کرنا حرام ہے اور نیز اس وجہ سے بھی مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں کہ مجتہد خطا کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام کی ذات خطا سے مبرا ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم کی شہادت سے مہدی علیہ السلام اپنے احکام میں خطا سے معصوم ہیں۔

اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ

اَلْمَسَائِلُ الْمُسْتَخْرَجَةُ مِنْ أَقْوَالِ الْعُلَمَاءِ فِي دَوْرٍ مِنْ أَدْوَارِ الزَّمَانِ إِلَى أَنْ يَخْرُجَ الْمَهْدِي عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَبْطُلُ فِي عَصْرِهِ التَّقْيِيدُ بِالْعَمَلِ

وہ مسائل جو ہر زمانہ کے علماء کے اقوال سے نکالے گئے ہیں صرف مہدی علیہ السلام کے ظہور تک ہیں آپ کے زمانہ میں آپ سے متقدم علماء کی تقلید باطل ہو جائیگی چنانچہ ارباب کشف نے

بِقَوْلِ مَنْ قَبْلَهٗ مِنَ الْمَذَاهِبِ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ اَهْلُ الْكَشْفِ وَيَلِيْهِمُ الْحُكْمُ بِشَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ بِحُكْمِ الْمُطَابَقَةِ بِحَيْثُ لَوْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْجُوْدًا لَاَقَرَّهٗ عَلٰى جَمِيْعِ اَحْكَامِهٖ كَمَا اَشَارَ فِيْ حَدِيْثِ ذِكْرِ الْمَهْدِيْ يَقْفُوْ اَثَرِيْ وَلَا يُخْطِيْ	اس کی تصریح کی ہے پس اسی امام کا قول شریعت محمدیہ کے ایسا مطابق ہوگا کہ اگر رسول اللہ صلعم آپ کے زمانہ میں موجود ہوتے تو مہدی علیہ السلام کے تمام احکام کو برقرار رکھتے چنانچہ رسول اللہ صلعم نے حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مہدی (علیہ السلام) میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔

نیز آپ نے یواقیت کے انچاسویں (۴۹) باب میں لکھا ہے کہ

كُلُّ عَالِمٍ مِنَ الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ لَهٗ دَرَجَةُ الْاُسْتَاذِيَّةِ فِيْ عِلْمِ الْاَحْكَامِ وَالْاَحْوَالِ وَالْمَقَامَاتِ وَالْمَنَازِلَاتِ اِلٰى اَنْ يَنْتَهِيَ الْاَمْرُ فِيْ ذٰلِكَ لِخَاتِمِ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ الْمُحَمَّدِيِّيْنَ الَّذِيْ هُوَ الْمَهْدِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ	امت محمدیہ کے ہر عالم کو علم احکام و احوال و مقامات و منازلات میں اسی وقت تک درجۂ استادی حاصل ہے کہ مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو جائے جو ائمہ مجتہدین کے خاتم ہیں۔

حضرت شیخ اکبر فتوحات کے باب (۳۶۶) میں فرماتے ہیں

یَحْرُمُ عَلَی الْمَھْدِیْ الْقِیَاسُ بَلْ حَرَّمَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ عَلٰی جَمِیْعِ اَھْلِ اللّٰہِ الْقِیَاسَ لِکَوْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَشْھُوْدًا لَھُمْ فَاِذَا شَکُّوْا فِیْ حَدِیْثٍ اَوْ حُکْمٍ رَجَعُوْا اِلَیْہِ فِیْ ذٰلِکَ الْحُکْمِ فَیُخْبِرُوْھُمْ بِاَمْرِ الْحَقِّ یَقْظَۃً وَمُشَافَھَۃً وَصَاحِبُ ھٰذَا الْمَشْھَدِ لَا یَحْتَاجُ اِلٰی تَقْلِیْدِ اَحَدٍ مِّنَ الْاَئِمَّۃِ غَیْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مہدی علیہ السلام پر قیاس حرام ہے بلکہ بعض محققین نے تمام اولیاء اللہ پر قیاس کو حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ رسول اللہ کا مشاہدہ ان کو حاصل ہے جب کسی حدیث یا حکم میں ان کو شک ہوتا ہے تو رسول اللہ صلعم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رسول اللہؐ ان پر بالمشافہہ امر حق کو ظاہر فرما دیتے ہیں۔ پس جس کو یہ مقام حاصل ہے وہ رسول اللہؐ کے سوا کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہے۔

ان اقوال سے صاف ثابت ہے کہ ائمۂ مجتہدین اور امام مہدی علیہ السلام کے احکام اور استخراج مسائل میں ان اکابرین اہل سنت کے نزدیک یہ بیّن فرق ہے کہ مجتہدین جو کچھ کہتے ہیں اپنی رائے اور قیاس سے کہتے ہیں جس میں خطا کا احتمال ہے۔ مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا۔ خلیفۃ اللہ اور حاکم شرع محمدی ہیں آپ کے احکام رائے اور اجتہاد سے مستنبط نہیں بلا واسطہ خدا یتعالیٰ کے

الہام اور رسول اللہ صلعم کی تعلیم پر موقوف ہیں جو بعینہٖ خدا اور رسول کے احکام ہیں اور یہ سب باتیں مجتہدین کے احکام میں نہیں پائی جاتیں۔

صورت گر نقاش چین رو صورت یارم ببین
یا صورتے کش ایں چنیں یا ترک کن صورت گری

اس تمہیدی بحث کے بعد اس مسئلہ پر غور کیا جائے۔

لیلۃ القدر کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے اس کی فضیلت قرآن میں مذکور ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے روح الامین اور فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ رات سلامتی ہی سلامتی ہے۔

احادیث سے لیلۃ القدر کی فضیلت ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (کنز العمال ج)	جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھکر حصول اجر و ثواب کیلئے لیلۃ القدر میں عبادت کرے اس کے پچھلے گناہ بخشدیئے جائینگے
مَنْ یَّقُمْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فَیُوَافِقُہَا اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا یُغْفَرْ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (〃)	جو شخص لیلۃ القدر میں عبادت کرے پس اس کو پالے اس شخص کے پچھلے گناہ بخشدیئے جائیں گے۔
فَمَنْ قَامَہَا اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا	جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھکر حصول

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ (کنز العمال ج)	اجر و ثواب کیلئے لیلۃ القدر میں عبادت کرے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے جائیں گے

آنحضرت صلعم کا عمل اس قدر اہتمام کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ رمضان کا عشرہ اخیرہ آتے ہی آپ خود عبادت میں مصروف ہو جاتے اور اہل و عیال کو جمع کر کے نمازیں ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلعم یجتہد فی العشر الاواخر من رمضان مالا یجتہد فی غیرہ (مشکوٰۃ)	رسول اللہ صلعم رمضان کے آخر دہے میں عمل اور عبادت میں اس قدر محنت اور کوشش فرماتے تھے کہ دوسرے مہینہ کے آخر دہے میں اتنی نہ فرماتے تھے۔
وعنہا قالت کان رسول اللہ صلعم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیی لیلۃ وایقظ اھلہ (ح)	رسول اللہ صلعم رمضان کا آخر دہا آتے ہی عبادت کیلئے مستعد ہو جاتے تمام رات عبادت میں گذارتے اور اپنے اہلخانہ کو اٹھاتے تھے۔

لیلۃ القدر کی اس مسلّمہ فضیلت اور حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر اہتمام عبادت کے باوجود لیلۃ القدر کے تعیّن میں صحابہ سے لیکر مجتہدین تک سب مختلف القول نظر آتے ہیں۔ کسی نے اس کو سال بھر میں گشت کرنے والی رات قرار دیا ہے۔ کسی نے رمضان ہی میں اس کا ہونا مانا ہے۔ رمضان میں ہونے کے قائلین بھی غرّہ سے

لیکر ۲۹ تک مختلف القول معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک صحابی یا مجتہد نے جو بھی تاریخ تعین کی ہے اس کو دوسروں کے تعین پر کوئی وجہ ترجیح نہیں پائی جاتی کیونکہ سب غیر معصوم ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں امام اعظمؒ کے دو قول نقل کرتے ہیں ایک یہ کہ قاضیخاں نے کہا ہے کہ امام اعظمؒ کے پاس لیلۃ القدر رمضان ہی سے خاص نہیں ہے بلکہ ہر مہینہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بقول شیخ ابن الہمام امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی رات ہے کیونکہ وہ متقدم و متاخر ہوتی رہتی ہے یعنے کبھی کسی تاریخ آتی ہے اور کبھی کسی تاریخ۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے پاس کسی ایک ہی تاریخ ہے لیکن وہ کسی تاریخ کا تعین نہیں کرتے البتہ تقدم و تاخر کے قائل نہیں ہیں۔ (ملخصاً)

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخر دہے میں کوئی ایک تاریخ ہے۔

امام شافعیؒ کے پاس لیلۃ القدر اکیسویں رات ہے۔

اسی طرح ابو بریدۃؓ اسلمی ۲۳۔ حسن بصری ۲۵۔ ابن عباس اور ابی بن کعب ۲۷۔ عائشہ صدیقہؓ ۲۹۔ کو لیلۃ القدر ہونیکے قائل ہیں۔ غرضیکہ لیلۃ القدر کے تعین میں جو اختلاف اور تذبذب تھا وہ مہدیہ

کے لئے اس طرح قطع و یقین سے بدل گیا ہے کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے یہ معلوم کیا گیا کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رمضان ہی ہے اور حکم دیا گیا کہ اس انعام باری تعالیٰ کے شکریہ میں جو تعین لیلۃ القدر کے یقینی علم حاصل ہونے کی صورت میں حضرت مہدی علیہ السلام اور حضرت کے متبعین پر ہوا ہے دو رکعت ادا کی جائیں۔

حضرت نے اس حکم کی تعمیل میں اس رات میں دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد بھی حیات تک اسی طرح ادا فرماتے رہے۔ پس تمام مہدوی اس حکم الٰہی کی تعمیل اور حضرت کی اتباع میں اس کو فرض و لازم جانکر ادا کرتے ہیں۔ یہی نماز لیلۃ القدر یا دوگانہ لیلۃ القدر ہے۔ جس کی نسبت ہمارے معترض صاحب نے اعتراض کیا ہے یہاں تین امور حل طلب ہیں۔ لیلۃ القدر میں نماز پڑھنا۔ دو رکعت کا تعین۔ اس کو فرض و لازم جاننا۔ نماز پڑھنا کسی مسلمان کے لئے نہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ بدعت۔ دو رکعت کا تعین بھی احکام دینی کے لحاظ سے نہ کوئی ممنوع امر ہے نہ بدعت کیونکہ یہ اصولی ضابطہ ہے کہ "اَلْاَمْرُ یَقَعُ عَلٰی اَقَلِّ جِنْسِہٖ" یعنی امر مطلق کا اطلاق کم از کم اقل جنس پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کی کم سے کم مقدار جس پر نماز کا اطلاق ہو سکے وہ دو رکعت ہی ہے اور اس سے کم مقدار پر نماز کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہی لمیت نماز

لیلۃ القدر کی دو رکعت قرار دینے کی ہو سکتی ہے۔

اس کو فرض ماننا بھی کئی عقلی و نقلی وجوہ سے اہل سنت کے اصول پر قابل اعتراض نہیں ہے چنانچہ تعین لیلۃ القدر کی نسبت جو اختلاف صحابہ و مجتہدین کے اقوال میں پایا جا رہا تھا اور وہ سب اقوال غیر معصوم ہونے کی وجہ سے کسی قول کو دوسرے پر وجہ ترجیح نہیں تھی اور وہ سب مفید ظن تھے حضرت مہدی علیہ السلام پر اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و امتنان ہے کہ اس نے لیلۃ القدر کے تعین کا یقینی و قطعی علم عطا فرمایا ہے پس اس نعمت خداوندی کا شکریہ آیت قرآنی فَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ کے مطابق فرض ہے۔

اس کے علاوہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ نماز پنجگانہ میں سے ہر ایک نماز ایک ایک نبی نے فضل و نعمت خداوندی کے شکریہ ہی میں ادا فرمائی ہے چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیہ میں فرماتے ہیں کہ

رُوِیَ فِیْ بَعْضِ الْاَخْبَارِ اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ سَاَلَ النَّبِیَّ صلعم عَنْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مَنْ صَلَّاھَا اَوَّلًا فَاَخْبَرَہٗ اِنَّ مَنْ صَلَّاھَا اَوَّلًا اٰدَمُ ؑ

انصار میں سے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز فجر سب سے پہلے کس نے پڑھی فرمایا آدم ؑ نے اور ظہر سب سے پہلے ابراہیم ؑ نے پڑھی جبکہ ان کو خدا تعالیٰ نے نمرود کی آگ سے نجات دی۔ اور نماز عصر

وَالظُّهرُ صَلاَّهَا ابراهیمؑ حِیْنَ نَجَّاہُ اللّٰہُ تعؑ مِنْ نَارِ نمرود وَالعَصْرُ صَلاَّهَا یعقوبؑ حِیْنَ اَخبرہُ جبرئیلُ بیوسفؑ وَالمغرب صَلاَّهَا داؤدؑ حِیْنَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیہِ وصلوٰۃ العتمۃِ صَلاَّهَا یُونُسُ بنُ مَتّٰی حِیْنَ اَخرجَہٗ اللّٰہُ تعؑ مِنْ بَطنِ الحُوتِ۔

یعقوبؑ نے پڑھی جبکہ جبرئیلؑ نے ان کو یوسفؑ کی خوشخبری دی۔ اور جب خدا تعالیٰ نے داؤدؑ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے نماز مغرب پڑھی اور جب یونسؑ کو خدا تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے نکالا تو انہوں نے نماز عشا پڑھی

پس ادائے شکر خداوندی کی مختلف صورتوں میں سے دو رکعت نماز کی ادائی کا لازم قرار دینا بھی احکام دین اسلام کے مغائر نہیں بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام کی عین اتباع ہے۔

اس سے قطع نظر بعض اکابرین اہل سنت نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہے۔ عصمت لازمہ خلافت الٰہیہ ہے جس کی توثیق حدیث یَقفُو اَثَرِی وَلَا یُخطِی سے ہوتی ہے۔ الہام معصوم قطعی و یقینی ہوتا ہے۔

حضرت کو اخذ علم خدا تعالیٰ اور روح رسول اللہ سے ہے۔ آپ جو حکم دیں رائے وقیاس پر مبنی نہیں بلکہ عین خدا و رسول کا حکم اور

حقیقی شرع محمدی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو مہدی علیہ السلام کے حکم کو برقرار رکھتے یا آپ کے روبرو یہ مقدمہ پیش ہوتا تو آپ بھی وہی حکم دیتے جو مہدی علیہ السلام نے دیا ہے اس ارفع و اعلیٰ حیثیت سے نظر کرتے جو تمام خلفاء اللہ سے مخصوص ہے حضرت نے خدا تعالیٰ کے حکم سے اُن دو رکعت کی ادائی فرض قرار دی ہے تو وہ ضرور فرض ہے۔

اگر اس اعلیٰ منصب اور اس کے خصوصیات سے بھی قطع نظر کر کے تمام اسلامی احکام کے ماخذ کے اصول پر بحث کی جائے تو ظاہر ہے کہ مجتہدین بالاتفاق معصوم عن الخطا نہیں ہیں اور خود پیروانِ مجتہدین ان کے اقوال میں خطا کا احتمال ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے باوجود مجتہدین اپنی رائے و قیاس سے کسی فعل کو واجب اور فرض اور کسی کو مکروہ یا حرام قرار دے سکتے ہیں اور ان کے پیرو اپنے اپنے مجتہد کی تصریح کے موافق ان کو فرض یا واجب یا ناجائز ہی سمجھتے ہیں۔ جن کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں اور بہت سی مثالیں ان کے علاوہ موجود ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے اس قسم کے تمام اقوال کا ماخذ چونکہ آیات و احادیث ہی ہیں اس لئے کوئی شخص ان احکام کو اسلامی احکام سے جدا یا آیات قرآنی اور احادیث کے مغائر نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ایک مجتہد نے ان احکام میں سے ایک حکم کی یا ایک حکم کے خاص

پہلو کی بنا پر یہ حکم دیا ہے اور دوسرے مجتہد نے دوسرے حکم یا اس کے دوسرے پہلو پر اپنے قیاس کی بنا قائم کی ہے۔

پس نماز لیلۃ القدر کی نسبت بھی حضرت مہدی علیہ السلام کے منصب خلافت الٰہی اور اس حکم ربانی سے جو حضرت کو ہوا اور جسکی بنا پر حضرت نے حکم دیا قطع نظر کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کے اس فرمان کا ماخذ بھی قرآن و احادیث ہی ہیں اور جو حکم حضرت نے دیا ہے وہ قرآن و حدیث ہی کی بنا پر دیا ہے چنانچہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ لیلۃ القدر کا ذکر قرآن میں موجود ہے اس کی فضیلت قرآن شریف سے ثابت ہے جس طرح آیہ کریمہ "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" اس رات کی فضیلت پر علمائے اصول کی اصطلاح کے موافق "عبارۃ النص" ہے اسی طرح اس رات کی عبادت کا امر معنوی اس آیت کا "اقتضاء النص" ہے یعنے خدا تعالیٰ کا اس کی فضیلت کو جتانا معنیً اس کی عبادت کا حکم دینا ہے کیونکہ حاکم کا کسی امر کی تعریف کرنا اس امر کا حکم دینا یا اس پر آمادہ کرنا اور کسی کی برائی بیان کرنا اس سے منع کرنا سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس قسم کے کئی نظائر قرآن شریف ہی میں ملتے ہیں۔

احادیث سے اس رات میں عبادت کرنے کی تاکید اور اس کے فضائل ثابت ہیں جن سے آیت کے مفہوم کی توضیح ہو جا رہی ہے خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل سے

اس کی اہمیت ثابت ہے کہ رمضان کا عشرۂ آخر آتے ہی حضرت عبادت میں خاص اہتمام فرماتے تھے خود رات کو عبادت کرتے اور اپنے اہل وعیال کو بیدار فرماتے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ نے "غنیۃ الطالبین" میں اس عشرۂ اخیرہ کی عبادت کی تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے اسطرح بیان فرمائی ہے کہ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الثَّالِثَةُ وَالْعِشْرُونَ قَامَ وَصَلَّى بِنَا حَتَّى مَضَى ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ وَالْعِشْرُونَ لَمْ يَخْرُجْ إِلَيْنَا فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الْخَامِسَةُ وَالْعِشْرُونَ خَرَجَ وَصَلَّى بِنَا حَتَّى مَضَى شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْنَا لَهُ لَوْ نَفَّلْتَنَا لَيْلَتَنَا هٰذِهِ لَكَانَ حَسَنًا فَقَالَ صلعم مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ

ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ رمضان کی تیئیسویں رات کو رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور آپ نے تہائی رات تک ہم کو نماز پڑھائی چوبیسویں رات کو آپ تشریف نہیں لائے پچیسویں رات کو تشریف لائے اور آدھی رات تک ہم کو نماز پڑھاتے رہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھا ہوتا اگر آپ تمام رات ہم کو نماز پڑھاتے رہتے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ نماز کو کھڑا رہے اور امام کے ساتھ ختم کرے تو اس کو بھی پوری رات کی عبادت ہی کا ثواب ملتا ہے پھر چھبیسویں رات کو

حَتّٰی یَنْصُرِفَ کُتِبَ لَهٗ قِیَامُ لَیْلَةٍ وَ لَمْ یُصَلِّ بِنَا فِی اللَّیْلَةِ السَّادِسَةِ وَالْعِشْرِیْنَ فَلَمَّا کَانَتِ اللَّیْلَةُ السَّابِعَةُ وَالْعِشْرُوْنَ قَامَ وَجَمَعَ اَهْلَهٗ وَصَلّٰی بِنَا حَتّٰی خَشِیْنَا اَنْ یَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قِیْلَ مَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ

آپ برآمد نہیں ہوئے ستائیسویں رات کو تشریف لائے، اور ہم سب کو اور اپنے اہلخانہ کو جمع فرمایا اور سب کو لیکر اتنی دیر تک نماز پڑھاتے رہے کہ ہم کو سحری کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔

حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے اسی سنت کو زندہ کیا اور لیلۃ القدر میں اہل وعیال اور متعلقین اور دوسرے مومنین کو جمع کرکے نماز ادا کی اور اپنے متبعین کو ہمیشہ اس سنت کے مطابق عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔

پس اس مسئلہ کی ظاہری صورت یہ ہوگی کہ جس طرح دوسرے بہت سے مسائل میں کسی امام یا کسی مجتہد نے ایک ہی فعل یا ایک ہی عمل کو مستحب قرار دیا ہے اور دوسرے نے اسی کو واجب یا فرض کہا ہے اسی طرح مجتہدین نے لیلۃ القدر کی عبادت کو مستحب قرار دیا اور حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے فضیلت لیلۃ القدر کی نسبت جو آیات قرآنی نازل ہوئی ہیں اور جو احادیث وارد ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص اہتمام عمل ثابت ہے ان سب کے نظر کرتے لیلۃ القدر کی عبادت کو فرض قرار دیا۔ اگر

فرق ہے تو یہی کہ اہل سنت کے نزدیک ائمۂ مجتہدین غیر معصوم ہیں اور مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا اہل سنت کا مسلک ہے جس کے شواہد اس سے قبل ذکر کئے گئے ہیں۔

لہذا جب مجتہدین اور مہدی علیہ السلام کے احکام متضاد ہوں تو اس کا فیصلہ خود علمائے اہل سنت نے اس طرح کیا ہے کہ

یَکُوْنَ قَوْلُ الْاِمَامِ الْمَهْدِیِّ الْمَوْعُوْدِ حُجَّةً یُخْطِی مُخَالِفُهٗ۔	امام مہدئ موعود کا قول حجت ہے جو اس کے خلاف کہے وہ بر سر خطا ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مولانا بحر العلوم)

اس مسئلہ میں بعض ناواقفوں کو ایک شبہ یہ ہے کہ نماز لیلۃ القدر کی فضیلت سے ایک چھٹی نماز کی زیادتی ہوتی ہے اور شریعت کا نسخ لازم آتا ہے لیکن یہ شبہ صحیح نہیں کیونکہ جو امر اصول شرعیہ پر مبنی اور انہی سے مستخرج ہو اس سے نسخ شریعت لازم نہیں آتا ورنہ مجتہدین کے تمام اختلافی مسائل میں بھی نسخ شریعت لازم آجائے گا حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ نیز اس کی فرضیت سے نہ کسی امر شرعی کا ازالہ ہوتا ہے نہ شریعت محمدیہ کے کسی حکم کی تبدیلی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ خود علمائے اصول نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ چھٹی نماز کی زیادتی بھی نسخ نہیں ہے چنانچہ "علامہ تفتازانی" "تلویح" میں لکھتے ہیں کہ

فَقَدْ اِخْتَلَفُوْا اَنَّ الزِّیَادَةَ عَلَی النَّصِّ نَسْخٌ اَمْ لَا یَعْنِیْ اَنَّ الزِّیَادَةَ اِنْ کَانَتْ عِبَادَةً مُسْتَقِلَّةً کَزِیَادَةِ صَلٰوةٍ سَادِسَةٍ فَلَا نِزَاعَ بَیْنَ الْجُمْهُوْرِ فِیْ اَنَّهَا لَا تَکُوْنُ نَسْخًا -

علمائے اصول کو اس امر میں اختلاف ہے کہ نص پر زیادتی نسخ ہے یا نہیں یعنے اگر یہ زیادتی عبادت مستقل ہے جیسے چھٹی نماز کی زیادتی تو اس کو جمہور علمانے نسخ نہیں قرار دیا ہے -

پس علمائے اصول کے اس متفقہ ضابطہ کے لحاظ سے نماز لیلۃ القدر ایک چھٹی نماز بھی فرض کی جائے تو نہ اس سے نسخ لازم آتا ہے اور نہ یہ قابل اعتراض ٹھیرائی جا سکتی ہے -

جس طرح دوسرے فرائض و احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی لمیت اور حکمت و فوائد سے بحث کی جاتی ہے کہ نماز کے فرض کرنے میں یہ حکمت ہے روزہ کے یہ فوائد ہیں۔ حج اور زکوٰۃ کے فرض ہونے میں یہ مصالح مضمر ہیں اسی طرح اس کی لمیت اور حکمت و فوائد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی فرضیت کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص اس رات میں روزمرہ عبادت فرض و سنت کے علاوہ کم از کم یہ دو رکعت بھی ادا کرے تا کہ اس کو اس رات کی عبادت کی نسبت باعث حصول نفع مسلم حاصل ہو۔ اور اس کے نتائج و فوائد کو دیکھو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے برادران اسلام

جو اس رات کے تعین میں مشتبہ ہوں یا جن کے پاس اس کی عبادت کو اہمیت نہ ہو ممکن ہے کہ وہ اس رات کو کھو دیتے ہوں۔ لیکن کسی مہدوی سے لیلۃ القدر کبھی فوت نہیں ہونے پاتی اور یہ ہر مہدوی کا ان دو رکعتوں کو اپنے آپ پر فرض جاننے کا نتیجہ ہے۔

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ ان تمام وجوہ سے نماز لیلۃ القدر کی فرضیت قرآن شریف۔ احادیث رسول مقبولؐ۔ اہل سنت کے مسلّمہ اصول کے عین مطابق ہے اور کوئی مسلمان عبادت کو اور خاص کر نماز کو جو احکام اسلامی کی رو سے تمام عبادات کی مکمل صورت ہے اور وہ بھی ایسی رات میں جس کو خدا تعالیٰ نے "خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ" فرمایا ہے بدعت نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ صرف نگار کی خصوصیت ہے کہ وہ مہدی علیہ السلام کے عناد میں لیلۃ القدر میں عبادت کی پابندی کو جو عین اتباع سنت رسول کریم ہے بدعت سے تعبیر کرتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (اقبال)

مضمون نگار صاحب بتائیں کہ کیا اہل سنت ائمہ مجتہدین کے استخراج مسائل کو بدعت کہتے ہیں؟ مثلاً امام اعظمؒ کے پاس وضو میں صرف چار فرض ہیں لیکن امام مالکؒ نے پیر دینے

اعضا دھوتے اور امام احمد حنبلؒ نے وضو کرتے وقت بسم اللہ
کہنے کا ایک ایک فرض بڑھا کر پانچ اور امام شافعیؒ نے وضو میں
ترتیب اور نیت کرنے کے دو فرض بڑھا کر چھ کر دئے۔ کیا یہاں
یہ کہا جائیگا کہ امام اعظمؒ نے ان ائمہؒ کے مذہب کی رو سے فرض کا
کا انکار کیا ہے یا امام اعظمؒ کے خلاف ان ائمہ کرام نے اسلام میں
بدعات کا اختراع کیا۔ کہئے کیا یہ سب آپ کے پاس بدعت ہیں؟
اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر مہدویہ کی تخصیص کیوں ہے ع

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اور اگر کہا جائے کہ یہ اور ازیں قبیل دوسرے امور بدعت نہیں
ہیں کیونکہ مجتہدین نے قرآن و حدیث ہی سے ان مسائل کا استخراج
کیا ہے۔ تو حیرت ہے کہ لیلۃ القدر کی نماز بدعت کیسے ہوئی حالانکہ
لیلۃ القدر کا ذکر قرآن میں۔ لیلۃ القدر کی فضیلت قرآن میں۔
لیلۃ القدر کی عبادت کا امر معنوی قرآن میں۔ قول و فعل رسول صلی اللہ
علیہ وسلم سے عبادت لیلۃ القدر کی اہمیت اور ضرورت ثابت
پھر یہاں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم قرآن و احادیث ہی سے
نکلا ہوا ہے اس لئے وہ ان بیشمار احکام کی طرح کبھی اور کسی طرح
بھی بدعت نہیں۔ خصوصاً جبکہ اس کو فرض کہنے والا اللہ کا خلیفہ
اور خطا سے معصوم اور حاکم شرع محمدی ہونے کی خصوصیات
و امتیازات سے ممتاز بھی ہے۔

اس سے پہلے جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں کوئی خاص
رکن بتایا گیا تھا کہ بعض مجتہدین نے اس کو مستحب یا جائز لکھا ہے
اور دوسرے مجتہد نے اس کو واجب یا فرض قرار دیا ہے اس
سے بھی زیادہ واضح ایک اور مثال مستقل نماز ہی موجود ہے۔ جو
ظاہری طور پر نماز لیلۃ القدر سے پورے طور پر مشابہ ہے نماز وتر کو
دیکھو کہ اس کی نوعیت میں ائمہ مجتہدین مختلف القول ہیں مثلاً امام
شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد حنبلؒ کے نزدیک وتر سنت ہے
اور امام اعظمؒ کے پاس واجب۔ شاگردان امام اعظمؒ میں امام
ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس کو سنت اور امام زفرؒ ان سب کے
خلاف اس کو فرض کہتے ہیں چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ

قِيلَ لَيْسَ فِي الْوِتْرِ رِوَايَةٌ مَنْصُوصَةٌ فِي الظَّاهِرِ لٰكِنْ رَوَى يُوسُفُ بْنُ خَالِدِ السَّمْتِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ رح إِنَّهَا وَاجِبَةٌ وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ مَذْهَبِهِ وَرَوَى نُوحُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْهُ إِنَّهَا سُنَّةٌ وَبِهِ أَخَذَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْهُ إِنَّهَا فَرِيضَةٌ وَبِهِ أَخَذَ زُفَرُ رح

وتر کے بارے میں کوئی صاف روایت کتب ظاہر الروایت میں نہیں ہے ابو یوسف بن خالد سمتی نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وتر واجب ہے اور یہی انکا ظاہر مذہب ہے اور نوح بن ابی مریم نے آپ سے روایت کی ہے کہ وتر سنت ہے چنانچہ امام ابو یوسف و امام محمد نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے اور حماد بن زید نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وتر فرض ہے اور امام زفرؒ نے ابو حنیفہ کے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسی نماز جس کا ذکر قرآن میں نہیں جس کی فضیلت قرآن میں نہیں جس کی ادائی کا امر معنوی بھی قرآن میں نہیں اور جس کی نوعیت بیان کرنے سے احادیث بھی ساکت ہیں۔ خود امام اعظمؒ سے بھی مختلف روایتیں آئی ہیں کوئی صاف روایت مروی نہیں ہے تعداد رکعات کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین نہیں فرمایا ہے نہ ہمیشہ آپ تین ہی رکعت پڑھتے رہے چنانچہ اَوْتَرَ بِوَاحِدَۃٍ کے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ آپ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے۔ اسی بنا پر امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وتر میں ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک پڑھی جا سکتی ہیں لیکن امام اعظمؒ نے اس کی تین ہی رکعت مقرر کر دی ہیں اور ائمہ ثلثہ (امام مالکؒ امام احمدؒ امام شافعیؒ) کی تحقیق کے خلاف اس کو واجب کہا ہے اور امام زفرؒ تو اس کو فرض کہتے ہیں۔ تو کیا بقول معترض صاحب یہاں یہ کہا جائے گا اور یہ کہنا درست بھی ہوگا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو سو برس بعد امام اعظمؒ نے ایک چھٹی نماز واجب اور امام زفرؒ نے ایک چھٹی نماز فرض قرار دیکر اسلام میں بدعت پیدا کی؟ اگر ایسا کہنا درست نہیں اور قطعاً درست نہیں تو پھر نماز لیلۃ القدر میں دو رکعت کا تعین اور اس کو فرض جاننا بھی کبھی بدعت نہیں ہو سکتا جبکہ اس کو فرض کہنے والے اور وتر کو واجب یا فرض کہنے والوں میں بقول اکابرین اہل سنت معصوم اور غیر معصوم کا

فرق بھی ہے ۔

مضمون نگار صاحب کو اپنی اس ذہنیت کے مد نظر نماز لیلۃ القدر کو بدعت کہنے سے پہلے خود علمائے اہل سنت سے دریافت کرنا چاہیئے تھا کہ ائمہ مجتہدین کے بیان کردہ مسائل کو جو آیات و احادیث سے مستخرج ہیں اور خصوصاً نماز وتر کو کیا وہ بدعت کہتے ہیں اور کیا اس سے شریعت کا نسخ لازم آنے کے قائل ہیں؟ اگر یہ سب بدعت ہیں تو وہ ان بدعات کے مخترع کو کیا کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

نماز لیلۃ القدر کی بحث کے بعد عشر کے مسئلہ پر بھی ذرا تفصیلی بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس پر معترض صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مہدی علیہ السلام نے مال کی قلت و کثرت دونوں حالتوں میں زکوٰۃ میں بجائے چالیسویں حصہ کے دسواں حصہ ادا کرنا فرض قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو زبدۃ البراہین مصنفۂ سید عبدالرحیم بن سید اسحاق بن عبدالحی الخ)"

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ حضرت مہدی علیہ السلام سے ایسی کوئی روایت ہے اور نہ مہدویہ کا یہ اعتقاد ہے اور نہ "زبدۃ البراہین" میں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار بجائے چالیسویں حصہ کے بجائے دسواں حصہ ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ مہدویہ زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کے جملہ ارکان و شرائط سے متفق و

معتقد ہیں۔ احکام شرعی کے لحاظ سے زکوٰۃ میں ہر چیز کی جو مقدار مقرر ہے مہدویہ بالکل انہی مقادیر کے قائل ہیں اور ہر چیز کی وہی مقدار زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مضمون نگار صاحب کی اس غلط بیانی کی ابتدا ہر دو وجہ معلوم ہوتی ہیں یا انہوں نے کتاب "زبدۃ البراہین" خود نہیں دیکھی اور کسی معاند مہدویہ کی کسی کتاب میں جو کچھ دیکھا وہی لکھدیا ہے۔ یا کتاب مذکور انہوں نے دیکھی بھی ہے تو اس کے فہم مطالب سے قاصر رہے ہیں کیونکہ کتاب "زبدۃ البراہین" کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ "عشر بھی زکوٰۃ کی جیسی مالی عبادت ہے اور جو شخص عشر و زکوٰۃ ادا نکرے وہ وعید کا مستحق ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ اور عشر (دسواں حصہ ادا کرنا) دو علحدہ مسئلے ہیں اور دونوں کی ادائی ضروری قرار دی گئی ہے۔ اس سے یہ مطلب کہاں مستخرج ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کو بدل کر چالیسویں حصہ کے بجائے دسواں حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

علم فقہ کی معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ "عشر" اور "زکوٰۃ" دو متعارف و مشہور اصطلاحی الفاظ ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل اس اعتراض کے جواب کی تمہید میں ائمۂ مجتہدین کے بعض اختلافی مسائل جو تمثیلاً لکھے گئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ عشر (دسواں حصہ دینا) تمام ائمۂ مجتہدین کا

متفقہ اور مسلمہ ہے اختلاف ہے تو یہ ہے کہ بعض مجتہدین بعض اشیا میں عشر واجب ہونے کے اور بعض اشیا میں واجب نہونے کے قائل ہیں اور امام اعظمؒ تقریباً تمام اشیا میں عشر واجب کہتے ہیں اسی طرح ائمۂ ثلثہ امام مالکؒ۔ امام احمد حنبلؒ امام شافعیؒ کے نزدیک اشیائے عشریہ کی خاص مقدار یعنے (۱۲۰۰) رطل یا بقول امام غزالیؒ آٹھ سو من موجود ہو تو عشر واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے پاس بلا لحاظ قلت و کثرت قلیل و کثیر مقدار میں عشر واجب ہے۔ کیا بقول معترض صاحب اس سے یہ نتیجہ نکالا جائیگا کہ ان ائمہ نے اور خصوصاً امام اعظمؒ نے زکوۃ میں بجائے چالیسویں حصہ کے دسواں حصہ ادا کرنا فرض قرار دیا ہے۔

مال کا دسواں حصہ یا عشر ادا کرنے کی بنا بھی ان آیات و احادیث پر ہے جن میں انفاق مال فی سبیل اللہ کی مختلف طریقوں سے تاکید اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کی تفصیلی بحث کا تو یہ موقع نہیں ہے۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ قرآن شریف میں کہیں زکوۃ ادا کرنے کا اور کہیں خدا کی راہ میں مال دینے یا صدقہ کرنے اور جو کچھ خدا دے اس میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا ہے

ولینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق	جس کو گنجائش ہو اس کو چاہئے وہ اپنی گنجائش کے موافق خرچ کرے اور جس کی آمدنی تلی ہو وہ جتنا

مما اٰتاہ اللہ الآیہ۔ جزو ۲۸ سورۂ طلاق	اس کو خدا نے دیا ہے اسی کے موافق خرچ کرے۔
واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعہدہم الآیہ جزو ۲ سورۂ بقر رکوع ۶	اور رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں مانگنے والوں کو اور (غلامی کی قید سے) گردنیں چھڑانے کیلئے مال دے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں۔ الآیہ
یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الآیہ	مومنو! تم نے جو کچھ کسب کیا ہے اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے جو کچھ پیدا کیا ہے ان میں سے عمدہ (چیز خدا کی راہ میں) خرچ کرو۔
یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولاخلۃ الآیہ (جزو ۳)	مومنو! ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (خدا کی راہ میں) اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کرو جس دن نہ خرید و فروخت اور کسی کی دوستی اور سفارش (کارآمد) نہوگی۔
ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون ط (جزو ۱)	یہ کتاب ان پرہیزگاروں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

ان آیات سے کئی بحثیں ہو سکتی ہیں مثلاً اختلاف الفاظ اختلاف معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کے لفظ سے زکوٰۃ کا معنی

خاص اور اتیاء مال۔ صدقہ۔ انفاق سے اس کا معنی عام سمجھا جائیگا۔
صدقہ اور انفاق عام ہے اور زکوٰۃ ان کی ایک خاص قسم ہے
اور اصولی ضابطہ ہے کہ مفہوم عام مفہوم خاص کے بغیر پایا جاسکتا
ہے پس صدقہ اور انفاق کا عام مفہوم بغیر زکوٰۃ کے بھی پایا جاسکتا ہے
بعض آیتوں میں ایتاء و انفاقِ مال والدین اور قریبی رشتہ داروں
سے متعلق کیا گیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ان کو نہیں دی جاسکتی چنانچہ آیت
ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین الآیہ
اور آیت واتی المال علی حبہ ذوی القربی الآیہ
میں ایتاء مال والدین اور قریبی رشتہ داروں سے متعلق کیا گیا ہے
اور اس آیت میں اسکے بعد زکوٰۃ دینے کا ذکر بھی بطور عطف موجود ہے
جس سے یہ ایتاء مال اور زکوٰۃ علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔
آیت انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا
لکم من الارض میں جس طرح زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے
انفاق کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح کسب کی ہوئی چیزوں میں بھی انفاق
کا حکم ثابت ہے۔
" انفقوا مما رزقناکم " یا " مما اتاہ اللہ " کے ذریعہ جو حکم
دیا گیا ہے وہ کل اشیا اور اجناس اور قلیل و کثیر کو حاوی ہے اور
زکوٰۃ خاص اجناس اور خاص مقدار (نصاب) سے مشروط ہے۔
لہذا اس انفاق سے زکوٰۃ مقصود نہ ہوگی۔

غرض اس قسم کی کئی وجوہ ہیں جن کے نظر کرتے قرآن شریف اور احادیث میں جہاں کہیں صدقہ یا انفاق یا ایتاء مال وغیرہ الفاظ مذکور ہیں ان سے ہر جگہ زکوٰۃ ہی کی ادائی مراد نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حقوق واجبہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ تابعین وتبع تابعین کی ایک جماعت جن میں مشہور اور جلیل القدر مفسرین تابعین نخعی۔ شعبی۔ عطاء۔ مجاہد شامل ہیں اس کے قائل ہیں کہ مسلمان کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں اور انہوں نے اسی قسم کی آیات سے استدلال کیا ہے چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

وقد ذهب جماعة من التابعين الى ان فى المال حقوقاً سوى الزكوٰة كالنخعى والشعبى وعطاء ومجاهد۔ قال الشعبى بعد ان قيل له هل فى المال حق سوى الزكوٰة قال نعم اما سمعت قوله عز وجل واتى المال على حبه ذوى القربىٰ الاية واستدلوا بقوله عز وجل ومما رزقناهم

تابعین کی ایک جماعت مثلاً نخعی۔ شعبی۔ عطا۔ مجاہد کا یہ قول ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حقوق ہیں۔ شعبی سے پوچھا گیا کیا مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نہیں دیکھتے جو فرماتا ہے واتى المال على حبه ذوى القربىٰ (یعنے خدا تعالیٰ کی محبت میں وہ اپنا مال قرابتداروں کو دیتا ہے) ان

ینفقون و بقوله انفقوا مما رزقناکم و زعموان ذالك غیر منسوخ بآیة الزکوٰة بل هو داخل فی حق المسلم علی المسلم

تابعین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ مما رزقناهم ینفقون (ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) اور اس قول سے کہ انفقوا مما رزقناکم (ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو) اور ان تابعین کا خیال ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ اس اصول میں داخل ہے کہ مسلمان پر مسلمان کا حق ہے۔

پس اسی اصول کے تحت اسی قسم کے آیات و احادیث کی بنا پر مہدویہ کا یہی مسلک ہے کہ جو کچھ انہیں خدا دے اس میں سے خدا کی راہ میں دسواں حصہ دینا اپنے پر فرض سمجھتے ہیں اور اس عطائے الٰہی کے شکریہ میں اس قسم کی عطا کے ساتھ ہی "انفقوا مما رزقناکم" کے حکم قرآنی کے مطابق لوجہ اللہ "عشر" ادا کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر انہیں مٹھی بھر آٹا خدا دے تو اس میں سے ایک چٹکی آٹا چیونٹیوں ہی کو ڈال دیتے ہیں۔ اور اگر وہ مالک نصاب زکوٰۃ ہیں اور اس کے شرائط موجود

ہوتے ہیں تو حکم قرآنی "اٰتوالزکوٰۃ" کی تعمیل میں ختم سال پر زکوٰۃ نکال لیتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مالکِ نصاب نہ ہو یا سال بھر تک وہ مالک نصاب نہ رہے۔ یا مالک نصاب زکوٰۃ ہو۔ لیکن ختم سال تک زندہ نہ رہے غرض کسی صورت سے اس پر زکوٰۃ فرض ہی ہونے پائے تو وہ اپنی استطاعت کے موافق تھوڑے بہت انفاق مال فی سبیل اللہ کی فضیلت سے کبھی محروم نہیں رہتا۔ اور مصارف زکوٰۃ کے علاوہ جو محدود ہیں دوسرے مصارف خیر اور دوسرے مستحق امداد اشخاص کی امداد میں حصہ لے سکتا ہے جن کو زکوٰۃ نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر زکوٰۃ ادا کر سکا تو دونوں فضیلتوں کا جامع ہوا ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

دسویں حصہ کی تخصیص بھی آیت و حدیث سے مستخرج ہے کیونکہ قرآن شریف میں نیکیوں کے کم از کم اجر و ثواب کا یہ ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا۔	جو شخص کوئی نیکی کرے اس کو اس نیکی کے دس مثل حاصل ہوں گے۔

اور احادیث میں خاص صدقہ کے متعلق یہ تصریح آئی ہے۔

الصدقۃ بعشر امثالھا۔	صدقہ کا اجر اس کے دس گنا ہے۔

پس دسواں حصہ ایک ایسی مقدار ہے جس کے فی سبیل اللہ دینے سے دینے والے کو کل مال ادا کرنے کا اجر اور اس کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور ہر شخص ادنیٰ اعلیٰ غریب مالدار اپنی اپنی استطاعت کے موافق یکساں ثواب حاصل کر سکتا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ

عن علی قال جاء رجل الی رسول اللہ فقال کانت لی مائۃ اوقیۃ[1] تصدقت منها بعشرۃ اواق وقال آخر یا رسول اللہ کانت لی مائۃ دینار فتصدقت منها بعشرۃ دنانیر وقال آخر یا رسول اللہ کانت لی عشرۃ دنانیر فتصدقت منها بدینار فقال کلکم قد احسن وانتم فی الاجر سواء تصدق کل رجل منکم بعشر ماله ثم قرء رسول اللہ صلعم لینفق ذو سعة من سعته (کنز العمال جلد ۳)

علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس سو اوقیے تھے ان میں سے میں نے دس اوقیے صدقہ کر دئے۔ دوسرے نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس سو دینار تھے میں نے ان میں سے دس دینار صدقہ کئے۔ ایک اور شخص نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس دس دینار تھے ان میں سے میں نے ایک دینار صدقہ کر دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم سب نے اچھا کیا اور تم سب اجر میں برابر ہو کیونکہ تم میں سے ہر شخص نے اپنا عشر مال صدقہ کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

[1] ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے ۱۲

لینفق ذو سعة من سعته
(چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت
کے موافق خرچ کرے)

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں کسیقدر اختلاف کیساتھ یہی روایت کی ہے اور اس میں یہ صراحت ہے کہ ایک شخص نے اپنے نزدیک ایک ہی دینار ہونا اور ایک دینار کا دسواں حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا بیان کیا اور حضرت نے وہی کُلکُم فِی الاجرِ سَواءٌ ارشاد فرمایا۔ دیکھو اس حدیث میں نقد مال میں عشر ادا کرنے کا ذکر ہے اور حضرت نے بلا لحاظ قلت وکثرت مال سب عشر ادا کرنیوالوں کو اجر میں مساوی قرار دیا ہے اور اس فعل کو حضرت نے احسن بھی فرمایا ہے۔ کیا ہمارے معترض صاحب فرمائیں گے کہ جس عمل کا ذکر احادیث میں ہو۔ اور وہ عمل آنحضرت صلعم کے حضور میں پیش ہونے پر آنحضرت صلعم نے اس عمل کو احسن فرمایا ہو تو ایسا عمل سنت ہوگا یا بدعت؟

معترض صاحب کے اس اعتراض بدعت کی مزید توضیح یہ ہے کہ اس کے دو ہی پہلو ہیں ایک زکوٰۃ کے علاوہ مال میں کوئی حق تسلیم کرنا۔ دوسرا دسویں حصہ کا تقرر اگر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق تسلیم کرنا یا زکوٰۃ کے علاوہ فی سبیل اللہ مال خرچ کرنا بدعت ہو تو یہ اعتراض کہاں سے کہاں پہنچ جائیگا اور کم از کم وہ جلیل القدر

مفسرین تابعین رحمہم اللہ جو مال میں زکوٰۃ کے علاوہ حقوق واجب ہونیکے قائل ہیں وہ سب آپ کے پاس ضرور اسس بدعت کے مخترع ہونگے۔

اور اگر مال میں دسواں حصہ مقرر کرنا آپ کے پاس بدعت ہے تو خود احادیث میں جو عشر مال کی تصریح آئی ہے اس کے ہوتے بدعت کا اطلاق کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مورخ ابن خلدون نے جن کی ذاتی رائے کو علمائے حدیث و اصول کے ضوابط کے خلاف ضرورت مہدی علیہ السلام کے مسئلہ میں معترض صاحب ترجیح دیتے ہیں اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس تجارتی مال پر جو دارالاسلام میں لایا جاتا عشر یعنے ہر دس کو ایک یا فیصد دس لینے کا حکم دیا تھا۔ بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ ہوتی اور عنبر میں بھی عشر وصول کرنے کے احکام جاری کئے تھے شعبی تو کہتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے عشر قائم کرنے والے عمرؓ ہی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو حسب فرمان رسول اللہ صلعم علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین (تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے) تمام اہل سنت کی طرح ہم تو سنت جانتے ہیں۔ لیکن بقول معترض صاحب اگر مال میں دسواں حصہ دینا بدعت ہے تو کیا حضرت عمرؓ کا یہ عمل آپ کے پاس بدعت نہ ہے۔ اور کیا

نعوذ باللہ حضرت عمرؓ اس بدعت کے مخترع ہیں اور بقول آپ کے علمائے اہل سنت حضرت عمرؓ کو کیا کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس سے زیادہ ایک اور واضح مثال دیکھئے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مکتوب میں جو خواجہ قطب الدینؒ کے نام لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

بدانکہ در شریعت زکوٰۃ دو صد تنکہ موجود شود پنج تنکہ موجود بعد یکسال بدہند و زکوٰۃ بر حکم شرع بر عاقل و آں فرض است و زکوٰۃ حقیقی بر حکم شرع در طریقت از دو صد تنکہ موجود باشد پنج تنکہ نگاہ داشتن رواست و باقی دادن فرض آمد۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو سو تنکہ (ایک قدیم سکہ) کسی کے پاس موجود ہوں تو شریعت میں عاقل و بالغ پر پانچ تنکہ یکسال کے بعد دینا فرض ہے بحکم شرع پر حقیقی زکوٰۃ طریقت میں یہ ہے کہ دو سو تنکہ موجود ہوں تو پانچ تنکہ رکھ لینا جائز اور باقی سب دیدینا فرض ہے۔

دیکھو یہاں اس کو زکوٰۃ کہا گیا ہے اور زکوٰۃ تسلیم کر کے اس کی مقدار بجائے چالیسویں حصہ کے دو سو میں سے ایک سو پچانوے گویا فی صدی (۲ ½) کے عوض فیصدی (۹۷ ½) زکوٰۃ کی مقدار قرار دیگئی اور اس مقدار کے فرض ہونے کی صراحت فرمائی گئی ہے۔ (غالباً مہدویہ کی اس کتاب میں جس پر سے آپ نے اپنا اعتراض تراشا ہے زکوٰۃ کا لفظ اور زکوٰۃ کی مقدار بدل کر دہوائ

حصہ مقرر کرنے کا ذکر مطلقاً کہیں نہیں ملیگا) پھر تو آپ کے نزدیک نعوذ باللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کا یہ مقدار زکوٰۃ میں تبدیلی کرنا اور اس کو فرض قرار دینا ضرور بدعت ہوگا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ضرور اس بدعت کے مخترع ہونگے بلکہ بدعت سے بھی بڑھکر کوئی اور درجہ ہوگا کیونکہ آپ نے اس کو زکوٰۃ ہی تسلیم کر کے زکوٰۃ کی مقدار دسویں حصہ سے بہت زیادہ فرض قرار دی ہے۔ پس معترض صاحب اپنے اسی اعتراض کے تحت فرمائیں کہ حضرت خواجہ رح اہل سنت کے مماثل ہیں یا نہیں اور آپکے خیالی اہل سنت سے فتوی صادر کروائیں کہ وہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیا کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

اصل یہ ہے کہ اردو کا کوئی معمولی مضمون نگار مذہبی و دینی مباحث میں دخل دیگا تو اس کا یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت بنا دے گا اور اس کی زد سے نہ صحابہ و تابعین محفوظ رہیں گے نہ مجتہدین اور اولیاء اللہ۔

چوں قلم در دست غدارے بود ۔۔۔ لاجرم منصور بر دارے بود (مولانا رح)

معترض صاحب لکھتے ہیں کہ

(۵) شواہد الولایت جو برہان الدین (سید محمد جونپوری کے داماد تھے) کی تالیف ہے اور آپ کے یہاں بڑے مرتبہ کی چیز سمجھی جاتی ہے اس کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے

مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے برابر ظاہر کیا ہے اور ان کے متعلق "ہم اخوانی بمنزلتی" کے الفاظ کہے ہیں۔ گویا بالفاظ دیگر اس کے معنی یہ ہوئے کہ سید محمد صاحب کا مرتبہ رسول اللہ سے بھی بڑھکر ہے۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ اہل سنت کس حد تک اس عقیدہ کے پابند ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اس کے متعلق ان کی کیا رائے ہو سکتی ہے۔"

اس اعتراض کی حقیقت پر بحث کرنے سے قبل معترض صاحب کی دو فاحش غلطیوں کو ظاہر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے میاں برہان الدینؒ کو حضرت مہدی علیہ السلام کا داماد ہونا اور آپ کی تالیف "شواہد الولایت" کو مہدویہ کا بڑی چیز سمجھنا بتایا ہے جس سے معترض صاحب کی معلومات کا پتہ چلتا ہے اور یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو جاتا ہے کہ ان معلومات کا کوئی شخص جو اعتراضات کرے وہ کیسے ہوں گے۔

میاں سید برہان الدینؒ مولف شواہد الولایت حضرت مہدی علیہ السلام کی چوتھی پشت کے نبیروں کے ہم زمانہ ہیں جن کا سنہ وفات تخمیناً ۱۰۶۰ھ ہجری ہے جو حضرت مہدی علیہ السلام کی رحلت سے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہے۔ اس سے آپ کے داماد مہدی (علیہ السلام) ہونے کی غلط بیانی فاش ہو جاتی ہے۔ "شواہد الولایت" کا بڑی چیز ہونا بھی بجائے خود نہیں کیونکہ وہ حضرت مہدی علیہ السلام سے تقریباً

(۲۴۱) سال بعد کی تالیف ہے۔ جبکہ حضرت کے صحابہ اور تابعین وتبع تابعین کے زمانہ کی تالیفات موجود ہیں ان کے مقابلہ میں شواہد الولایت کی حیثیت زیادہ سے زیادہ وہی ہوسکتی ہے جو اسی زمانہ کی تالیفات کی ہے۔

اس کے بعد اصل اعتراض پر ناظرین غور فرمائیں اس کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی علیہ السلام کے اصحاب کا مرتبہ" "اپنے برابر ظاہر کیا ہے اور ان کے متعلق "ہم اخوانی بمنزلتی" کے الفاظ" کہے ہیں۔

دوسرا حصہ یہ کہ "گویا بالفاظ دیگر اس کے معنی یہ ہوے کہ سید محمد صاحب کا مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی بڑھکر ہے"

یہ دوسرا حصہ ظاہر ہے کہ معترض صاحب کا ذاتی نتیجہ یا ایجاد ہے چنانچہ اس کے یہ حصے "گویا" "بالفاظ دیگر" "اس کے معنی یہ ہوے" خود بتا رہے ہیں کہ یہ مولفِ شواہد الولایت کی عبارت یا الفاظ نہیں بلکہ معترض کی طبعزاد ہیں جو انہوں نے اپنے زعم میں پہلے حصہ کا نتیجہ نکالا یا اس کی تعبیر کی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ نتیجہ یا تعبیر کس حد تک صحیح ہے یا غلط یہ حقیقت تو ناقابل تردید ہے کہ معترض کی اس من گھڑت تعبیر کو مولف شواہد الولایت کا یا مولف کے واسطہ سے مہدویہ کا قول کبھی نہیں کہا جا سکتا۔

پھر لطف یہ کہ اس من گھڑت نتیجہ یا تعبیر کو مہدویہ کا عقیدہ

بھی فرض کرلیا گیا اور اس پر یہ سوال بھی ترتیب دے لیا کہ "یہ عقیدہ رکھنے والے کے متعلق اہل سنت کی کیا رائے ہوسکتی ہے؟" مشہور ضرب المثل ہے کہ اُثبِتِ العَرشَ ثُمَّ انقُش (پہلے آپ تخت تو بنا لو اور پھر اس کے بعد اس پر نقش کرو)

معترض صاحب پہلے یہ ثابت کرتے کہ یہ مضمون جو "گویا بالفاظ دیگر" سے شروع کیا گیا ہے شواہد الولایت میں کہاں ہے اور مہدویہ کا یہ عقیدہ ہونا اس میں کہاں بتایا ہے اور اس کے بعد آپ یہ سوال کرتے تو پھر کچھ ٹھکانے کی بات ہوتی۔

اس اعتراض کے پہلے حصہ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف صاحب شواہد الولایت کے نام سے جو عبارت نقل کی ہے اور جس کو بنائے اعتراض قرار دیا گیا ہے وہ شواہد الولایت کی اصلی فارسی عبارت نہیں بلکہ اس کی تلخیص ہے اس سے قطع نظر یہ تلخیص اصل کے مطابق بھی ہے کہ نہیں خود معترض صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا فرمایا ہے اور یہ الفاظ کہے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث کا مضمون ہوا اور مولف شواہد الولایت صرف اس کے ناقل ٹھیرے۔

پس اس مضمون پر جو بھی اعتراض ہوگا وہ حدیث پر وارد ہوگا۔ نہ کہ مولف شواہد الولایت پر۔

کیا معترض صاحب حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر ایسا کہا جائے تو بالفاظ دیگر اس کا یہ معنی ہوگا۔ اگر مولف شواہد الولایت پر ناقل کی حیثیت سے کوئی اعتراض نقل کی حد تک ہو سکتا تھا تو یہی کہ یہ حدیث کہاں سے لکھی گئی ہے وہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اس سے جو استدلال کیا جا رہا ہے وہ کہاں تک درست ہے وغیرہ۔

جبکہ مولف صاحب شواہد الولایت نے جو حدیثیں لکھی ہیں ان کا حوالہ دیکر تصحیح النقل کی ذمہ داری سے وہ سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اور نفس حدیث کی صحت و عدم صحت یا اس سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کے ضعیف یا قوی ہونے کا معترض کو کوئی اعتراض ہی نہیں ہے بلکہ ان کو جو کچھ اعتراض ہے وہ مضمون حدیث ہی پر ہے کہ اگر ایسا کہا جائے تو بالفاظ دیگر اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ پس فرمان رسول کریم (صلعم) پر اعتراض کرنا معترض کی دیانت کا اور حدیث پر اعتراض کر کے اس کو مولف شواہد الولایت یا عہد و یہ پر اعتراض خیال کرنا انشا پردازی کا ایسا کھلا نقص ہے جو انشا پردازی کے ایک مدعی کے لئے باعث ننگ ہے۔

اس نقص سے تھوڑی دیر کے لئے چشم پوشی کر لی جائے اور اعتراض کی حقیقت پر غور کرنے کے میدان میں ایک قدم اور آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معترض صاحب نے اس انداز میں "ہم خوانی ہمنز لتی"

کا جملہ شواہد الولایت کے اکتیسویں باب کے حوالہ سے لکھا ہے گویا شواہد الولایت کو سامنے رکھکر اس سے یہ جملہ نقل کیا گیا ہے لیکن یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ یہ جملہ شواہد الولایت میں سرے ہی نہیں۔ معترض صاحب مہربانی کر کے بتائیں کہ بعینہٖ یہ جملہ جو آپ نے نقل کیا ہے اس میں کہاں ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہی جملہ شواہد الولایت میں ہے بھی تو تب بھی معترض صاحب نے اس پر جو اعتراض کیا ہے یا اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ درست نہیں کیونکہ فضائل اعمال اور مناقب وغیرہ میں اس قسم کی بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں کسی شخص یا کسی عمل کی فضیلت یا جزا اسی طرح اور اسی حیثیت سے ذکر کیگئی ہے۔ لیکن اہل سنت کے پاس ان سے احکام یا تفریعات اور غلط نتائج نکالنا جائز نہیں ہے جیسے بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے

یَا بِلَالُ بِمَ سَبَقْتَنِی اِلَی الْجَنَّۃِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَکَ اَمَامِی	اے بلال تو جنت میں مجھ سے پہلے کس وجہ سے داخل ہوا۔ میں جب جنت میں داخل ہوا تو تیرے نعلین کی آواز اپنے آگے سنتا تھا

کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۶

اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضہ کو فِدَاکَ اَبِی وَاُمِّی (تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں) اور زید بن حارثہ کو اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا (تو میرا بھائی اور مولا ہے) فرمایا ہے دیکھو بلال رضہ کو رسول اللہ صلعم سے سبقت حاصل ہونیکی تصریح ہے جو "منزلت" سے اعلٰی ہے سعد بن ابی وقاص رضہ پر سے رسول اللہ صلعم نے اپنی ماں باپ کو فدا کر دیا ہے جسطرح عام امتی رسول اللہ صلعم پر سے کرتے ہیں۔ زید بن حارثہ کو اپنا بھائی اور مولا نا کے جیسے تعظیمی الفاظ سے خطاب فرمایا ہے اور اسی قسم کی

بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ لیکن ان سے معترض صاحب کی طرح رسول اللہ صلعم پر بلال یا سعد بن وقاص اور زید بن حارثہ کی سبقت وفضیلت یا ہم مرتبتی کا نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔

پس "ہم اخوانی بمنزلتی" سے بھی جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ صریح غلط ہے کیونکہ وہ مہدویہ کے عقائد کے خلاف ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

مَنْ کَانَتْ لَهُ ابْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاحْسَنَ اِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ (کنز العمال)	جس شخص کی دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور ان دونوں کے پاس رہنے تک وہ حسن سلوک کرتا ہے تو (حضرت نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ) میں اور وہ شخص جنت میں ان دو کے جیسے برابر رہیں گے۔
مَنْ حَسُنَتْ صَلٰوتُهُ وَقَلَّ مَالُهُ وَكَثُرَ عِيَالُهُ وَلَمْ يَغْتَبِ النَّاسَ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ (")	جو شخص اچھی طرح نماز پڑھے اور اس کا مال کم اور اہل وعیال کثیر ہوں اور وہ لوگوں کی غیبت نہ کرے تو وہ جنت میں ان (دو انگلیوں) کے جیسے میرے ساتھ رہیگا

کیا معترض صاحب اس سے نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں وہ (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد) جنت میں رسول اللہ کا ہم مرتبہ ہوگا اور اس کے مرشد یا پیران طریقت رسول اللہ صلعم سے

زیادہ اعلیٰ مدارج فردوس میں رہیں گے۔ اگر یہ نتیجہ صحیح نہیں تو "ہم اخوانی بمنزلتی" سے بھی جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ اور اگر یہ غلط نتیجہ آپ کا عقیدہ ہے تو آپ ہی فرمائیں کہ کونسے اہل سنت اس عقیدہ کے پابند ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو اس کے متعلق ان کی کیا رائے ہو سکتی ہے۔

اس موقع پر ایک اور غلط فہمی کو بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ بیان فضائل یا بیان مقامات و مراتب میں اگر دو شخصوں میں کوئی خاص مناسبت یا مماثلت پائی جاتی ہے یا منازل سلوک سے کسی خاص منزل کا بیان مقصود ہوتا ہے تو اس کو صوفیائے محققین، مقام، قائم مقام، منزل، شان، بر دل، بر قلب وغیرہ اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً بعض اولیاء اللہ کو بعض انبیا کا یا بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں کا مقام یا شان و منزلت حاصل ہونا یا امت محمدیہ کے کسی ولی کو کسی نبی کا قائم مقام یا بر قلب فلاں نبی وغیرہ ظاہر کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جو ظہور یا فیضان اس نبی میں تھا وہی ظہور یا فیضان اس بزرگ میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ صوفیا کے پاس دور نبوت میں جتنے انبیاء گزرے ہیں دور ولایت میں ایک ایک ولی انکے مقابل میں موجود ہے۔ گلشن راز میں اس مسئلہ کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

زنورش شد ولایت سایہ گستر مشارق با مغارب شد برابر

کنوں ہر عالمے باشد زامت　　رسولے را مقابل در نبوت

گویا یہ حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے جیسے ہیں) کی تفسیر و توضیح ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ علمائے امت کو بنی اسرائیل کے انبیاء و رسل کی طرح منصب نبوت و رسالت حاصل ہے یا در حقیقت وہ نبی و رسول ہیں۔ بلکہ وہی ظہور و فیضان کی مماثلت مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ فضائل امت محمدیہ کے اخبار اور اولیاء اللہ کے ملفوظات وغیرہ میں اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جو بخوف طوالت یہاں ذکر نہیں کی گئی ہیں۔

پس اگر مہدویہ کی کسی کتاب میں کسی کے متعلق اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو ان سے ان کے یہی اصطلاحی معانی و مطالب مراد ہیں۔ یا خاص اخوانی بمنزلتی کے متعلق کہیں کچھ ذکر ہے تو وہاں اخوانی بمنزلتی کا "مقام" حاصل ہونا لکھا ہے اس سے حقیقتاً ہم مرتبہ ہو جانا مراد نہیں۔

معترض صاحب کے جیسے اصطلاحی رموز سے ناواقف اصحاب اس کو نفس حقیقت پر محمول کرنے کی غلطی کر جاتے ہیں جو مہدویہ کے پاس صحیح نہیں ہے۔

ہم اس بحث کے آخر میں معترض صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ ہم "اخوانی بمنزلتی" سے صحابۂ مہدی علیہ السلام کو رسول اللہ صلعم کے ہم مرتبہ قرار دینے اور اس کے ذریعہ مہدی علیہ اسلام کا مرتبہ

رسول اللہ سے بڑھکر ہونے کا غلط نتیجہ نکالنے میں آپ کو بڑے تکلفات کی زحمت اٹھانی پڑی تھی خود مولف شواہد الولایت کا قول نہ تھا مولف کا قول بھی ہوتا تو وہ قول تمام مہدویہ کا مسلمہ اور بنائے عقیدہ ہونا غیر ثابت تھا۔ فضائل اعمال کا پہلو اور اس کے نظائر بھی اس قسم کے معانی پیدا کرنے میں حائل تھے مضمون حدیث ہونے کی جہت سے فرمان رسول اللہ صلعم پر اعتراض کرنے کی مشکلات بھی درپیش تھیں۔ لیکن ہم ایسے صاف وصریح دعوے بتاتے ہیں۔ جن میں رسول پر فضیلت ثابت کرنے میں آپ کو کوئی بھی مشکلات پیش نہیں آئیں گی مثلاً ایک بزرگ فرماتے ہیں

من چہ پروائے مصطفےٰ دارم   پنجہ با پنجہ خدا دارم

فرمائیے اگر مصطلحات کوئی چیز نہیں ہیں تو اس سے رسول اللہ صلعم پر اس کے قائل کی فضیلت متبادر ہے یا نہیں اور بقول آپ کے اہل سنت اس عقیدہ کے کس حد تک پابند ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اس کے متعلق ان کی کیا رائے ہے ان کے پاس یہ دعویٰ کرنے والا اہل سنت کا مماثل رہا یا ان میں داخل ہے یا نہیں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لِوَائِیْ اَعْظَمُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا محمد صلعم کے جھنڈے سے زیادہ بڑا ہے) اسی اصول کے مدنظر جو مہدویہ پر اعتراض کرنے میں ملحوظ رکھا گیا ہے فرمائیے کہ جب خود بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو

اپنا علم رسول اللہ کے علم سے بڑا ہونے کی فضیلت کا صاف دعویٰ ہے تو ان کے مرشد اور ان کے مرشد کے مرشد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی فضیلت حاصل ہے اور ان کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا بڑا ہے۔

پس اگر آپ کا وہ نظریہ اہل سنت کے اصول پر درست ہے تو اہل سنت اس عقیدہ کے کس حد تک پابند ہیں اور حضرت بایزیدؒ کے متعلق ان کی کیا رائے ہے؟

بروز حشر گر پرسند خسرو را چرا کشتی
چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

نمبر (۶) مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے کہ

"پنج فضائل میں درج ہے کہ محشر میں محمد رسول اللہ اور سید محمد دونوں ایک نوری ہاتھی پر سوار ہوں گے جس کا نام محمودہ ہوگا اور تمام انبیاء وغیرہ جلو میں ہوں گے۔ دانت اس ہاتھی کے اتنے لمبے ہوں گے کہ اُن پر تمام فرقہ مہدویہ سوار ہوگا۔ جب اس جلوس کا گشت ختم ہو جائیگا تو خدا کے روبرو ہاتھی آئیگا اور یہاں بی بی مریم کا نکاح رسول اللہ کے ساتھ اور بی بی آسیہ کا سید محمد جونپوری کے ساتھ ہوگا۔

معاف فرمائیے کیا اہل سنت اس عقیدہ کو برداشت کر سکتے ہیں۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ خود کتاب پنج فضائل بہت بعد کی

کتاب ہے روایات متاخرین کی نسبت عام قاعدہ یہی ہے کہ متقدمین کی روایتوں سے جو روایتیں مطابق ہوتی ہیں وہ قابل استناد سمجھی جاتی ہیں اور جو روایتیں مطابق نہیں ہوتیں وہ اسطرح قابل استناد نہیں ہوتیں۔ اس کے علاوہ اس روایت کی نوعیت غریب روایات کی جیسی ہے کہ دوسری کتابوں میں نہیں دیکھی گئی ہے۔ اس قسم کی غیر مستند روایات سے کسی مذہب پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف ہے۔

سر سید احمد خاں نے سر ولیم میور (سابق گورنر پنجاب) کے ان اعتراضات کے جواب میں جو اسی قسم کی غیر مستند روایات کی بنا پر اسلام یا بانی اسلام صلعم پر کئے گئے تھے یہی جواب دیا ہے کہ جس کتاب سے یہ روایات لی گئی ہیں وہ ضعیف روایتوں سے مملو ہے

آج بھی اگر کوئی غیر مسلم کسی موضوع یا غیر مستند حدیث کو پیش کر کے اسلام یا بانی اسلام صلعم پر کوئی اعتراض کرے تو اس کا حقیقی جواب یہی ہوگا کہ یہ روایت موضوع یا غیر مستند ہے اس لئے ایسی روایت سے بانی اسلام پر کوئی اعتراض صحیح نہیں ہو سکتا۔

پس اسی طرح کسی غریب روایت سے مہدویہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ اس قسم کی روایت کو داخل عقیدۂ مہدویہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو پھر تمام نقل و حکایات کو جو کسی بھی بزرگ سے

منقول ہوں بداخل اعتقاد اہل سنت کرنا پڑے گا اس کے
قطع نظر کتاب پنج فضائل کے نام سے جو روایت بیان کی گئی ہے
وہ بھی غالباً اصل کتاب پنج فضائل سے مضمون نگار صاحب نے
نہیں لی ہے بلکہ کسی ایسی کتاب سے ہے جس میں کتاب پنج فضائل
کو اپنا ماخذ بتایا ہوگا اور اصل روایت کے نقل کرنے میں دزدی
کی گئی ہوگی۔ اگر مضمون نگار صاحب اس مضمون کو اصل کتاب سے
اخذ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اصل کتاب میں نوری ہاتھ کے الفاظ
نہیں ہیں بلکہ یہ لکھا ہے کہ ایک مرکب نوری کہ "صورت او چوں
فیل باشد" ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ ہے اور تشبیہ میں عین شی ہونا لازم
نہیں ہوتا۔ نیز اصل کتاب میں بی بی آسیہ کا نکاح حضرت مہدی علیہ
السلام سے ہونے کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے جو مضمون نگار
صاحب نے بیان کیا ہے اس روایت کی حقیقت صرف اتنی
ہے کہ میاں عزیز محمد بدخشانی کسی سے سن کر اپنے مرشد بندگیمیاں
شاہ نظام رضی اللہ عنہ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا محشر میں خدا تعالیٰ
بی بی مریم و بی بی آسیا کو محمد صلعم سے نکاح کردیگا؟
چنانچہ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔
"پیش شاہ نظام میاں عزیز محمد بدخشانی عرض کردند کہ
میاں جی این نقل چوں است کہ در روز محشر خدا بی بی مریم
بی بی آسیا را بمحمد صلعم جفت کردہ دہد صحیح است؟"

پس ظاہر ہے کہ اس میں بی بی مریم و بی بی آسیا دونوں کا نکاح حضرت محمد صلعم سے ہونا مذکور ہے۔

اس روایت کو جب کہ وہ مہدی علیہ السلام سے مروی نہیں ہے مہدویہ کے عقاید میں کیسے داخل سمجھا جاسکتا ہے۔ کیا اہل سنت کے اعتقاد میں کسی صحابی کی رائے یا قول خلیفۃ اللہ کا حکم یا فرمان ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا ہو تو کیا جملہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام رائیں یا تمام اقوال حضرت ہی کے فرامین سمجھے جائیں گے اور ان سے جو بات بھی ثابت یا متبادر ہو اس کو تمام مسلمانوں کا عقیدہ قرار دیدیا جائیگا؟

اگر اس روایت کو بالفرض صحیح اور قابل حجت بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل واقعۂ نکاح کو خاص مہدویہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بی بی مریم و بی بی آسیہ کا نکاح رسول اللہ صلعم سے ہونے کی نسبت خود احادیث وارد ہیں جن کو دیلمی جامع الصغیر اور طبرانی وغیرہ نے روایت کی ہے اور ان احادیث کو اہل سیر نے نقل کیا ہے (دیکھو سیرۃ محمدیہ وغیرہ) اس لحاظ سے واقعۂ نکاح سے متعلق جو بھی اعتراض ہو وہ مہدویہ پر نہیں بلکہ ان احادیث پر وارد ہوگا۔ پس مضمون نگار صاحب کو اہل سنت سے دریافت کرنا چاہئے کہ ان احادیث سے جو امر ثابت ہورہا ہے وہ اس کو برداشت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

رہا بقول معترض صاحب نوری ہاتھی کا واقعہ اگر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک کشفی معاملہ ہے کیونکہ آئندہ روز محشر اس کے ظہور میں آنے کی خبر دی گئی ہے عموماً عالم ارواح کے معاملات و واقعات اور تنزیہ کے مسائل بیان کرنے میں تشبیہات و تعبیرات سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالیں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان سلف کے اقوال میں بکثرت ملتی ہیں۔

مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیہ میں آیت " ولقٰھم نضرۃ وسرورا " کی تفسیر اسطرح فرماتے ہیں

" وذٰلک ان المومن اذا خرج من قبرہ یوم القیٰمۃ نظر امامہ فاذا ھو بانسان وجھہ مثل الشمس یضحک طیب النفس علیہ ثیاب بیض وعلی راسہ تاج فینظر الیہ ویدنو منہ فیقول السلام علیک یا ولی اللہ ــــ فیقول من انت فیقول انا عملک الصالح ارکبنی ــــ فیرکبہ

مومن جب قبر سے اٹھیگا تو اسکے سامنے ایک انسان آئیگا جس کا چہرہ آفتاب کے جیسا ہنستا ہوا۔ اور جو پاک نفس ہوگا اس کے جسم میں سفید کپڑے اور سر پر تاج ہوگا۔ اس مومن سے کہیگا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں مجھ پر سوار ہوجا میں تجھکو جنت تک پہنچا دونگا پس یہ مومن اس انسان پر سوار ہوجائیگا "

فَيَقُولُ لَهُ لَا تَخَفْ أَنَا دَلِيلُكَ إِلَى الْجَنَّةِ۔

ظاہر ہے کہ وہاں "مرکب نوری کہ صورت او چوں فیل باشد" میں تشبیہ کے صاف الفاظ موجود تھے مگر یہاں کوئی تشبیہ یا استعارہ نہیں ہے بلکہ نفس انسان مذکور ہے۔ نیز ہاتھی کی سواری سے انسان کی سواری یقیناً عجیب تر ہے۔ خیر اور آگے چلئے انسان پر سوار ہو کر محشر میں گشت کرنے کے بعد دخول جنت کا منظر قابل دید ہے۔

حضرت عبد القادر جیلانی رح اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

فَأَوَّلُ مَا يَدْخُلُ مِنْ بَابِ الْجَنَّةِ وَمَعَهُ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ كَانَا مَعَهُ فِي دَارِ الدُّنْيَا الْكِرَامُ الْكَاتِبِينَ فَإِذَا هُوَ بِمَلَكٍ مَعَهُ نَجِيبَةٌ مِنْ يَاقُوتٍ خَضْرَاءَ وَكَانَ زِمَامُهَا مِنْ يَاقُوتٍ حَمْرَاءَ وَعَلَيْهَا رَاحِلَةٌ مُقَدَّمُهَا وَمُؤَخَّرُهَا دُرٌّ وَيَاقُوتٌ وَصَفْحَتَاهَا الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَمَعَهُ سَبْعُونَ

"جب مومن جنت کے دروازہ پر پہنچیگا تو وہاں ایک فرشتہ سبز یاقوت کا اونٹ لئے موجود رہیگا جس کی مہار سرخ یاقوت کی ہوگی اس پر ایسی پالان رہے گی کہ اس کا اگلا پچھلا حصہ موتی اور یاقوت کا اور دونوں پہلو سونے اور چاندی کے ہونگے۔ فرشتہ کے ساتھ ستر لباس اور دس ہزار غلام ہونگے جب مومن ان کپڑوں (ستر لباسوں) کو پہن لے گا

حُلَّةً فَيَلْبَسُهَا وَيَضَعُ عَلَى رَاسِهِ التَّاجَ وَمَعَهُ عَشَرَةُ آلَافِ غُلَامٍ كَاللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ فَيَقُولُ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ ارْكَبْ فَاِنَّ هٰذَا لَكَ وَلَكَ مِثْلُهَا فَيَرْكَبُهَا وَلَهَا جَنَاحَانِ خُطُوهَا مُنْتَهَى الْبَصَرِ فَيَسِيْرُ عَلَى نَجِيْبَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَشَرَةُ آلَافِ غُلَامٍ وَمَعَهُ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ كَانَا مَعَهُ فِي دَارِ الدُّنْيَا حَتّٰى يَاتِيَ اِلٰى قُصُوْرِهِ فَيَنْزِلُهَا۔

اور سر پر تاج رکھ لیگا تو فرشتہ عرض کریگا اسے ولی اللہ آپ اس اونٹ پر سوار ہو جائیے یہ آپ ہی کے لئے ہے اس اونٹ کو دو پر بھی ہوں گے اور ایسا تیز رفتار کہ منتہائے نظر پر اس کا قدم پڑے گا۔ پس مومن اس اونٹ پر سوار ہو جائیگا۔ کراماً کاتبین ساتھ ساتھ اور دس ہزار غلام اس کے روبرو رہیں گے اس طرح سے چلکر مومن اپنے محل میں داخل ہوگا۔"

معاف فرمائے اہل سنت کی طاقت برداشت بقول آپکے یہیں ختم نہیں ہو جاتی اور آگے چلئے۔

حضرت پیر دستگیرؒ اسی کتاب میں آیت "کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ

كَانَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ عَلَى النُّوْقِ وَالْبَرَاذِيْنِ يَقَعُ خُفًّا اَحَدُهَا حَسَنٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اہل جنت موتی اور یاقوت کے ایسے تیز رفتار

عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِهَا وَمَوْضِعُ حَافِرِ ذٰلِكَ الْبِرْذَوْنِ عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِهٖ خُلِقَتْ مِنْ دُرٍّ وَّيَاقُوْتٍ كُلُّ دَابَّةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُوْنَ مِيْلًا۔

اونٹوں اور ترکی گھوڑوں، پر سوار ہونگے کہ ان کے منتہائے نظر پر ان کا قدم پڑے گا اور ہر جانور ستر میل لانبا ہوگا۔"

حاصل یہ ہوا کہ ایک ایک مرد مومن قیامت کے روز قبر سے نکلیگا تو ایک انسان آفتاب چہرہ پر سوار ہوکر میدان حشر میں گشت لگاتے ہوئے جنت کے دروازہ پر پہنچیگا جہاں ایک فرشتہ سواری کے لئے ستر میل طویل اونٹ۔ پہننے کے لئے ستر لباس فاخرہ اور دس ہزار غلام لیکر اس کی پیشوائی کے لئے موجود رہیگا اور وہ مومن اس شان اور تزک، و احتشام سے کہ لباس فاخرہ در بر و تاج مکلل بر سر۔ کراماً کاتبین اس کے جلو میں۔ دس ہزار غلام آگے آگے اور خود ستر میل لانبے دو پروالے یاقوتی اونٹ پر بیٹھے ہوئے خراماں خراماں اپنے محل میں نزول اجلال فرمائیگا۔

تعجب ہے کہ بقول معترض صاحب اس عقیدہ کو تو اہل سنت برداشت کر سکتے ہیں لیکن ایک مرکب نوری کی روایت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اب جبکہ نوری ہاتھی کے مقابلہ میں یاقوتی اونٹ اور ترکی گھوڑا نکل آیا ہے تو یقین ہے کہ مضمون نگار صاحب اور ان کے ہمنوا اصحاب کے لئے اس ہاتھی کی سنگینی قابل برداشت

ہو گئی ہو گی جو صرف نور ہی نور کا ہو گا۔

اگر یہ کشفی معاملہ بیان کرنے والے بزرگ کو اپنے اس معاملہ میں فرقۂ مہدویہ ہاتھی کے دانتوں پر سوار نظر آنے سے معترض کی نظر میں انبیا و اولیا کی منقصت کا پہلو نکلتا ہے اور معترض کے اس نقل کے پیش کرنے سے یہی پہلو بتانا مقصد ہے تو یہاں فرمائے امت محمدیہ کا ایک مومن اُس وقت اور اُس دن جبکہ انبیا علیہم السلام بھی نفسی نفسی کہتے اور اپنی اپنی فروگذاشتوں کو پیش نظر رکھکر خدائے قہار کے قہر سے کانپتے میدان حشر میں حیران پریشان رہیں گے ایسی حالت میں امت محمدیہ کا ایک مومن قبر سے نکلتے ہی ایک خوبصورت انسان اور اس کے بعد ستر میل لانبے یاقوتی اونٹ پر سوار ہوکر اس تزک و احتشام کے ساتھ سیدھے جنت کے دروازہ پر چلے جانے سے کیا اس معمولی مومن کی عظمت و فوقیت اور انبیاء علیہم السلام کی توہین و منقصت کا پہلو نہیں نکلتا؟

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ معترض صاحب ایسی روایات و عقاید کو در بغل رکھکر مہدویہ پر اعتراض کرتے ہیں سچ ہے آدمی کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

اس نورانیت اور تعبیرات و تشبیہات سے قطع نظر کر کے بقول معترض صاحب اس مرکب نوری کو نوری ہاتھی ہی فرض

کر لیا جائے تو تب بھی یہ خیال یا بقول مضمون نگار صاحب یہ عقیدہ اتنا سنگین تو نہیں ہے کہ اہل سنت اس کو برداشت ہی نہ کر سکیں حالانکہ وہ اس سے زیادہ عجیب و غریب اور بعید از عقل و قیاس روایات اور بقول معترض صاحب عقائد کو بآسانی برداشت کر لیتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ	جب قیامت آئیگی تو ہم ان لوگوں کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے بات کریگا۔ کیونکہ یہ لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس جانور کی نسبت کہ یہ کیسا ہوگا اہل سنت کی ایک نہایت معتبر تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے جس کی حدیثیں دوسری تفسیروں کے نظر کرتے صحیح سمجھی جاتی ہیں۔

روی عن ابن جریج عن ابی الزبیر فی وصف الدابۃ فقال راسھا راس الثور و عینھا عین الخنزیر و اذنھا اذن فیل و قرنھا قرن ایل و صدرھا صدر اسد و لونھا لون نمر و خاصرتھا	اس جانور کے وصف کے متعلق جس کا قرآن شریف میں ذکر آیا ہے ابن جریج سے روایت کی گئی ہے اور وہ ابو الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ اس جانور کا سر بیل کا آنکھیں خنزیر کی۔ کان ہاتھی کے سینگ بارہ سنگے کے سینہ شیر کا

خاصرة هرة وذنبها ذنب
كبش وقوائمها قوائم بعير
بين كل مفصلين اثنا عشر
ذراعاً معها عصا موسى
وخاتم سليمان فلا يبقى
مومن الا نكتته في مسجده
بعصا موسى نكتة بيضاء
يضئ بها وجهه ولا يبقى
كافر الا نكتت وجهه
بخاتم سليمان — ثم يقول
لهم الدابة يا فلان انت
من اهل الجنة يا فلان انت
من اهل النار۔

رنگ چیتے کا کمر بلی کی۔ پاؤں
اونٹ کے ہوں گے۔ اس
کے ہر جوڑ کا درمیانی فاصلہ بارہ
بارہ گز ہوگا اس جانور کے ساتھ
موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور سلیمان
علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ
ہر مومن کی پیشانی کو عصائے موسیٰ سے
ایک سفید نشان لگا دے گا
جس سے اس کا چہرہ روشن ہو جائیگا
اور سلیمانؑ کی انگوٹھی سے ہر کافر کے
چہرہ کو نشان کریگا پھر انہیں کہیگا
کہ ای فلاں تو اہل جنت سے ہے ای فلاں
تو اہل دوزخ سے ہے۔

منصف مزاج ناظرین غور کریں کہ جب ایک ایسا عجیب الخلقت اور اعجوبہ روزگار جانور جو متعدد جانوروں کا مجموعہ ہے (جس کے ہر جوڑ کا درمیانی فاصلہ ۱۲-۱۲ گز ہے تو اس کے طول وعرض کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں) معہ عصائے موسیٰؑ وخاتم سلیمانؑ معترض صاحب کے عقائد (جبکہ آپکو اہل سنت سے ہونے کا دعوی ہے) کی زنبیل میں سما سکتا ہے اور اہل سنت

اس کو برداشت کر سکتے ہیں تو کیا ایک لوری ہاتھی کی گنجایش نہیں نکل سکتی ؟ اور وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے ؟

پس یاد رکھئے اس قسم کے پوچ و لچر اعتراضات کرنا شیشے کے محل میں بیٹھکر دوسروں پر پتھر مارنا ہے جو عقلمندی نہیں۔

اس تمام بیان سے ہمارا مقصد حضرت پیران پیرؒ کی جناب میں سوء ادبی کرنا یا اس قسم کی روایات پر اعتراض یا شبہ ظاہر کرنا نہیں ہے بلکہ صرف معترض صاحب کی کوتہ نظری اور دریدہ دہنی کا خاص انہی سے جواب لینا ہے کہ وہ اگر مسلمان اور اہل سنت مسلمان ہیں تو اس قسم کی روایات کی نسبت ان کا کیا عقیدہ ہے جو اہل سنت کی مسلّمہ اور جو لوری ہاتھی کی جیسی بلکہ اس سے کتنی زیادہ ناقابل توجیہ و تاویل ہیں ورنہ اس قسم کے تمام امور کی نسبت جو بلحاظ دین ثابت ہیں ہمارا یہی قول ہے کہ

نُؤمِنُ بِحَقَایِقِھَا وَلَا نَبحثُ بِکَیفِیَاتِھَا۔	ہم ان کی حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں اور انکی کیفیت سے (جو ہماری عقل اور سمجھ سے بالا ہے) بحث نہیں کرتے۔

چنانچہ خود اہل سنت کا بھی یہی قول ہے مگر معترض یا وہ شخص جس کا قول معترض صاحب کے اس قسم کے اعتراضات کا ماخذ ہوگا اہل سنت کے ایسے نادان دوست ہیں کہ بھدّو یہ پر نیش زنی کی دھن میں اُنہیں یہ نہیں سوجھتا کہ اُن کے وار سے خود اہل سنت

ہی ادل گھائل ہو جاتے ہیں۔

تمیزا اپنے پرائے کی نہو موذی کو ایذا میں
اسی باعث تو کثر دم کور مادرزاد ہوتا ہے

نمبر ۱۷۔ مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں۔

"تنبیہ الغافلین میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ مہدوی جماعت کے لوگ اپنے جھونپڑے برابر برابر بنایا کرتے تھے اور ہر جھونپڑے میں روزن ہوتا تھا کہ دوسرے جھونپڑے والے کے افعال سے آگاہ رہیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک مہدوی اپنی عورت سے صحبت کرتا تو دوسرا مہدوی اسے دیکھتا رہتا اور یہ صرف اس لئے کہ تمام مہدوی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کیا اہل سنت کی شریعت میں اس حرکت کو بھی روا رکھا گیا ہے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ جو قول تنبیہ الغافلین کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے اس سے قطع نظر کہ جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ یہ مضمون اس کتاب کے کہاں تک مطابق ہے یا اس میں کوئی کمی و بیشی ہوئی ہے؟ اگر فرضاً و تقدیراً تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ امر تنقیح طلب ہے کہ کیا ملا علی قاری کے مجرد قول سے جو مہدویہ کے شدید معاندین میں ہیں اور جن کا عناد ان کی تالیفات سے خود ٹپکتا ہے۔ مہدویہ پر کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے؟ اگر کسی مخالف و معاند کا ہر وہ بیان جو اس نے اپنے فریق

مقابل کی نسبت دیا ہو بغیر کسی ثبوت کے قابل قبول اور درست ہو سکتا ہے تو یہ بڑی وقت پیش آئیگی کہ بعض عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں نے حضرت بانیٔ اسلام روحی فداہ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جو غلط سلط واقعات لکھتے ہیں ان سب کو بغیر کسی ثبوت کے صحیح تسلیم کر لینا ہوگا اور یہ صریح خلاف قانون ہے۔

اس کے باوجود معترض صاحب کا یہ سوال کرنا کہ "اہل سنت کی شریعت میں اس حرکت کو کبھی روا رکھا گیا ہے؟" ان کی قوت فیصلہ کی کمزوری کا راز فاش کر رہا ہے کہ آپ نے ایک مخالف کے مجرد بیان کو جس کا کوئی ثبوت پیش نہیں ہوا ہے صحیح بھی سمجھ لیا اور اس کو ایک امر واقعی قرار دیکر اس پر یہ سوال بھی وارد کر دیا جو بنائے فاسد علی الفاسد کی صورت ہے۔ اس کے عوض کیا اچھا ہوتا کہ آپ سب سے پہلے یہ سوال کرتے کہ "کسی مدعی کے مجرد بیان سے جس کا کوئی ثبوت پیش نہوا ہو اُس کے فریق مقابل پر الزام عائد کرنا اہل سنت کی شریعت میں روا رکھا گیا ہے یا نہیں؟" تو یقیناً آپکو نہ اس موجودہ سوال کرنے کی نوبت آتی اور نہ ہم کو اس راز کے فاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی۔

اگر اصل واقعہ صحیح بھی فرض کر لیا جائے کہ کسی مقام پر یہود کے یہ مکانات متصل متصل تھے اور ان میں سوراخ بھی تھے تو ملا علی قاری نے

اس کی جو غرض جس انداز میں بتائی ہے وہ تب بھی صحیح نہیں ثابت ہو سکتی۔ کیونکہ آج بھی اکثر دیہاتی یا شہری مسلمانوں کے مکانات میں اسی قسم کے روزن دریچے یموکھے۔ جھروکے عموماً پائے جاتے ہیں جو اپنے ہمسایہ سے بات چیت کرنے یا اظہار مواساۃ و ہمدردی کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ کیا ملا علی قاری یا ان کی اس غلط روایت کو صحیح باور کرنے والے اصحاب یہ تسلیم کریں گے کہ جہاں اس طرح کے روزن یا جھروکے وغیرہ رکھے جاتے ہیں ان کی غرض یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہو تو دوسرا اس کو دیکھا کرے کیونکہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کیا بقول آپ کے اہل سنت کی شریعت میں اس حرکت کو روا رکھا گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کسی مقام پر مہدویہ کے مکانات میں روزن یا جھروکے پائے بھی جاتے تھے تو اس کی غرض وہی ہونا جو ملا علی قاری نے بیان کی ہے کسی طرح صحیح نہیں سمجھی جا سکتی!

اگر مضمون نگار صاحب کا یہ اصول صحیح ہے کہ معاند و مخالف کا ہر قول صحیح و قابل تسلیم ہے اور وہ جو بھی من گھڑت وجہ یا غرض کسی فعل کی بیان کرے اس سے بلا کسی ثبوت و تحقیق کے فریق مقابل پر الزام عائد ہو جاتا ہے تو بہت ممکن تھا کہ آریوں اور عیسائیوں کے اعتراضات اور اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ان کے اتہامات

واقعات کے چند نمونے لکھے جاتے اور پھر مضمون نگار صاحب
سے پوچھا جاتا کہ کیا اہل سنت کی شریعت میں ان حرکات کو روا
رکھا گیا ہے؟ لیکن تہذیب نے ہمارے ہاتھ سے قلم چھین لیا
اور کہا کہ گندہ ذہنی کے مقابلہ میں اپنے قلم کو گندگی سے ملوث کرنا
کیا ضرور ہے۔ قدرت نے یہ فحش بیانی ترغیباتِ جنسی[1] کے
مصنف ہی کے قلم سے خاص کر دی ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

(۸) مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ

جوہر نامہ میں مرقوم ہے کہ اس جماعت کے نزدیک کائنات
میں چند چیزیں ایسی ہیں جو خدا کی مخلوق نہیں ہیں اور بعض ایک
حیثیت سے مخلوق ہیں اور دوسری حیثیت سے غیر مخلوق۔
قسم اول میں جوہر اول اور روح حقیقی شامل ہیں دوسری قسم میں
رسول اللہ اور سید محمد جونپوری۔

اہل سنت کے نزدیک یہ عقیدہ شرک فی التوحید ہے اور

---

[1] ترغیباتِ جنسی معترض صاحب کی ایک کتاب ہے جس کے اشتہار
سے ثابت ہے کہ اس میں فطری اور غیر فطری فحشیات کے حالات درج کر کے
ان پر شرح وبسط کے ساتھ محققانہ تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۲

ان کے اصول عقائد کے بالکل منافی۔

اس ضمن میں جو مہرنامہ کے حوالہ سے جو اعتراض کیا گیا ہے وہ کسی طرح سے قابل غور ہے۔ سب سے پہلے تو یہی کہ جو مہرنامہ ایک غیر مشہور کتاب ہے بہت کم لوگ اس کو جانتے ہوں گے۔ یقیناً معترض صاحب نے بھی اس کو دیکھا نہیں ہے بلکہ کسی معاند و مخالف مہدویہ کی کتاب میں اس کا صرف نام دیکھ لیا ہوگا۔ ہم معترض صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے اصل کتاب جو مہرنامہ سے یہ مضمون لیا ہے تو وہ اس کی اصل عبارت معہ حوالہ بجنسہ نقل کردیں کیونکہ موجودہ صورت میں اولاً خود کتاب غیر معروف ہے۔ اور کسی غیر معروف کتاب کی بناء پر کسی مذہب پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف ہے۔ ثانیاً اس کتاب کی اصل عبارت بھی پیش نہیں کی گئی ہے۔ اس سے پہلے جبکہ بعض مضامین مہر سے غلط لکھے گئے ہیں۔ کہیں اصل عبارت میں اس قدر ردوبدل کیا گیا ہے کہ نفس مضمون کچھ سے کچھ ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں تصحیح النقل کے بغیر مذکورہ مضمون بھی اصل سے مطابق ہونے کا اعتماد نہیں ہوسکتا۔

اگر تصحیح النقل سے قطع نظر کرکے جسکی ذمہ داری معترض صاحب کے ذمہ باقی ہے نفس اعتراض پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو جو مسئلہ بناء اعتراض قرار دیا گیا ہے وہ صوفیائے محققین کا مسلمہ و متداولہ اور متکلمین و محققین کے مابین معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ باوجود دعویٰ

ہمہ دانی معترض صاحب کا اس کو مہدویہ سے مخصوص خیال کرنا تعجب خیز ہے۔

یہی نہیں بلکہ صوفیائے محققین کیساتھ یہ ستم ظریفی بھی قابل لحاظ ہے کہ اس مسئلہ کو جو متکلمین و محققین کے درمیان مختلف فیہ ہے معترض صاحب صرف متکلمین کے خلاف ہونا ظاہر نہیں کرتے بلکہ تمام اہل سنت کے خلاف اور اہل سنت کے نزدیک شرک فی التوحید ہونا بتاتے ہیں۔ کیا متکلمین ہی اہل سنت ہیں اور محققین صوفیا اہل سنت نہیں اور کیا مشرب صوفیہ رکھنے والے لاکھوں کروروں اصحاب اہل سنت سے خارج ہیں؟

مشرب صوفیا رکھنے والے ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ معترض صاحب کو مہدویہ پر اعتراض مقصود ہے۔ یا مہدویہ کی آڑ میں وہ تمام صوفیا و محققین پر مشرک فی التوحید ہونے کا حملہ کر رہے ہیں۔

اس اعتراض کے متعلق مشرب صوفیا رکھنے والے اور حقیقت محمدی کو برزخ کبریٰ جاننے والے تمام اہل سنت اس حقیقت کو واضح کرنے کا حق رکھتے ہیں اور ہم کو خاص طور پر بحث کرنیکی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا اس موقع پر صرف توضیح مطالب کی حد تک صوفیا و محققین کے چند اصول و اقوال اجمالی و سرسری طور پر ناظرین کی واقفیت کے لئے نقل کردینا کافی ہے۔

جوہر اول اور روح حقیقی کے مخلوق ہونے نہونے کا مسئلہ

اس امر پر موقوف ہے کہ صوفیہ کے پاس جوہر اول کہتے کس کو ہیں؟ کیا وہ بقول معترض صاحب کائنات کی چیزوں میں سے ہے یا خالق کائنات کے اعتبارات وتعینات یا صفات یا متعلقات صفات کا نام ہے۔ مقدمہ خزائن اسرار الکلم ترجمہ فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ

پس اسی ذات لابشرط شئی کو باعتبار علم مطلق کے اصطلاح میں بشرط لاشئی اور عالم وحدۃ اور تعین اول اور حقیقت محمدی اور برزخ کبریٰ اور برزخ البرازخ ——— اور مقام جمع الجمع اور مقام اجمالی اور جوہر اول اور نداء اول اور خیال اول اور اناء اول اور عالم جبروت اور تجلی اعظم کہتے ہیں۔

پس جبکہ اصطلاح میں تعین اول یا ذات باری تعالیٰ کو علم مطلق کے اعتبار سے جوہر اول کہتے ہیں تو وہ کائنات میں کسی طرح داخل نہیں اور نہ اس پر مخلوق کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ذات وصفات باری تعالیٰ بالاتفاق غیر مخلوق ہیں اسی طرح روح حقیقی بھی ایک اصطلاح ہے۔

اعتراض کے دوسرے حصے کی توضیح یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے پاس اعتبارات وحیثیات کے مختلف ہونے سے احکام بھی بدلتے جاتے ہیں دیکھو قرآن شریف کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث اس کی واضح مثال ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہونا متکلمین ومحققین دونوں کا متفقہ ومسلمہ ہے لیکن کلام نفسی کے اعتبار سے وہ خدا کی

صفت اور تمام اہل سنت کے پاس غیر مخلوق ہے اور ہمارے حروف واصوات سے مقید اور مکتوب فی المصاحف ہونے کی حیثیت سے اس پر مخلوق کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح حقیقتِ محمدی ایک حیثیت سے محققین کے پاس تعین اول اعتبار علم مطلق بمقام اجمالی مقام جمع الجمع وغیرہ کا نام ہے۔ اور ظاہری تعین و تشخص محمدی جو اس عالم میں انا بشر مثلکم کے مظہر میں ظاہر ہوا ہے ان میں سے ہر ایک اعتبار یا حیثیت کا حکم جدا جدا ہے۔

چنانچہ اسی اختلاف حیثیات و اعتبارات کی طرف مختلف طور پر اشارہ کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق کا شامل ؛ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

کسی نے کہا ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل ؛ سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

صوفیائے کرام کی استدلالی احادیث بھی اسی سرِ خفی کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً حدیث انا عرب بلا عین (میں بغیر عین کے عرب ہوں) اور انا احمد بلا میم (میں بلا میم کے احمد ہوں) صاحب گلشن راز اسی راز کی اسطرح ترجمانی کرتے ہیں۔

احد در میم احمد گشت ظاہر ؛ دریں دور آمد اول عین آخر
ز احمد تا احد یک میم فرق است ؛ ہمہ عالم دراں یک میم غرق است

معترض صاحب نے جو ہر نامہ کے جس مضمون پر اعتراض کیا ہے

اگر وہ مضمون صحیح بھی ہے تو اس کا مطلب بھی صوفیا کے ان اصول پر درست اور گویا ان کا نقل کلام ہے کیونکہ بعض نے تو اس اختلافِ اعتبارات کو اس سے بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ حقیقت محمدی باعتبار تقید کے عبد ہے اور باعتبار مطلق کے رب ہے (مقدمۂ اسرار الکلم)

مولفِ جوہر نامہ پر جو اعتراض کیا گیا ہے پھر وہی اعتراض ان تمام صوفیائے کرام پر عائد ہونا چاہیئے معترض صاحب سے ہم ایک اور مسئلہ دریافت کرتے ہیں کہ بقول معترض صاحب مولف جوہر نامہ نے تو حضرت سردار دو عالم برزخ کبریٰ آقائے امت محمدیہ کی نسبت یہ لکھا تھا کہ آپ ایک حیثیت سے مخلوق اور ایک حیثیت سے غیر مخلوق ہیں اور معترض صاحب نے اس کو قابل اعتراض اور شرک فی التوحید قرار دیا تھا آپ اس کی نسبت کیا فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے ایک ولی آقائے امت کی نسبت نہیں بلکہ اپنی ذات کی نسبت بغیر اظہار اعتبارات وحیثیات کے اس سے بھی بڑھکر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ فال ؎ کہ من از خدا بیش بودم دو سال
من آنوقت کردم خدا را سجود ؎ کہ ذات وصفاتِ خدا ہم نہ بود

وہی ظاہر بین عینک چڑھا کر جس سے آپ نے جوہر نامہ کے قول کو دیکھا تھا۔ فرمائیں کہ خدا سے بھی دو سال پہلے رہنے کا مدعی اسکے

اپنے اعتقاد میں مخلوق ہے یا غیر مخلوق اور کیا کوئی وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے جب کہ ذات وصفات خدا موجود نہ تھیں اور ذات وصفات خدا موجود ہونے کے باوجود خدا کو سجدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے سال اور وقت کا اطلاق جو بالاتفاق حادث ہیں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

کیا حضرت بہلولؒ کا یہ قول اہل سنت کے نزدیک شرک فی التوحید بلکہ توہینِ باری یا انکارِ باری تعالیٰ اور اہل سنت کے اصول عقائد کے منافی ہے یا نہیں اور آپ حضرت بہلولؒ پر کیا حکم لگاتے ہیں لیکن مہربانی کر کے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی حکم لگانے سے پہلے واقفین اسرارِ توحید سے ذرا دریافت کر لینا کہ "دو سال" اور "ذات وصفات خدا" اور "سجدہ" سے مراد اُن کی اصطلاح میں کیا ہے۔

"مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در محفل رندان خبرے نیست کہ نیست

(۹) معترض صاحب لکھتے ہیں کہ

"انصاف نامہ کے باب ہشتم سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں نعمت وخوندمیرنے جو مہدوی جماعت کے اولیاء کرام ہوے ہیں۔ مہاجر کے ترکہ میں اس کے جائز وارثوں کا کوئی حق نہیں رکھا بلکہ مہاجرین ہی میں اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔

کیا یہ فیصلہ احکام قرآنی کے خلاف نہیں ہے اور کیا اہل سنت اس کو کبھی گوارا کر سکتے ہیں؟"

معترض صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک جزر وایتاً صحیح نہیں ہے یعنی بندگیمیاں سید خوندمیرؓ کا کوئی واقعہ کہ آپ نے کسی مہاجر کا ترکہ مہاجرین میں تقسیم کیا ہو انصاف نامہ کے باب ہشتم میں مذکور نہیں ہے۔

معترض صاحب کی طرح بعض دوسرے مولفین نے بھی یہ رائے قائم کرنے میں غلطی کی ہے کہ مہدویہ کے پاس آیت مواریث کی پابندی نہیں پائی جاتی۔

دراصل یہ خیال غلط ہے مہدویہ دوسرے تمام احکام شرعی کی طرح آیت مواریث کے پورے عامل اور تقسیم ترکہ کے متعلقہ تمام فقہی احکام کے پورے پابند ہیں۔ جو واقعہ معترض صاحب نے پیش کیا ہے اس کی شاذ اور خاص صورت ہے۔ عجب نہیں کہ اسی قسم کی شاذ صورتوں کو دیکھکر ان مولفین نے بھی اس کو عام مسئلہ خیال کر لیا ہو۔

یہ واقعہ خاص ان فقرائے مہاجرین کا ہے جنہوں نے اپنی حیات ہی میں اپنے متعلقین اور قرابتداروں کو چھوڑ کر اور سب دنیاوی تعلقات منقطع کر کے اپنے ہم مشرب فقرا سے عہد مواخاۃ کے پابند ہو کر دائرۂ فقرا میں خانقاہوں کی طرح تمام

دنیوی مشاغل سے یکسو مقام ہوتا ہے سکونت گزیں ہو گئے تھے۔
جن بزرگوں کا ترکہ مہاجرین میں تقسیم کرکے ان کے ورثا کو ترکہ سے محروم کرنا بیان کیا گیا ہے ان کے ورثا خود بھی اس عمل سے راضی اور اس کو واجبی خیال کرتے تھے اسی لئے ان کو اس عمل کے متعلق کوئی اعتراض یا شکایت ہونا کسی روایت میں مذکور نہیں ہے ایسی صورت میں یہ عمل قانوناً ان کی رضامندی اور اجازت متصور ہوگا۔ اگر معترض صاحب کو اس سے انکار ہو تو وہ ثابت کریں کہ اس متوفی بزرگ کے کونسے وارث نے اس سے ناراضی ظاہر کی اور آپ کو اعتراض کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کیا۔
"فدک[1] کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی رحلت کے بعد حضرت بی بی فاطمہؓ وغیرہ ورثائے رسول اللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ باغ فدک رسول اللہ صلعم کا تھا وہ ہم کو دیدیا جائے ہم حضرت کے وارث ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کے دینے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے اپنی حیات ہی میں فرمادیا ہے کہ ماترکناہ صدقۃ (ہم نے جو کچھ ترکہ چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے) اس لئے تم کو نہیں دیا جاسکتا حضرت کی حیات میں اس کی آمدنی جن جن کو دی جاتی تھی اب بھی دی جایا کرے گی۔ یہ مسئلہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین بڑا معرکۃ الآرا ہے اہل سنت حضرت صدیقؓ کے

[1] دیکھو مدارج النبوۃ وغیرہ ۱۲-

اس عمل کو درست سمجھتے ہیں اور اہل تشیع کو حضرت صدیق رضؓ کے اس عمل پر اعتراض ہے جس کی اس موقع پر بحث کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہاں غور طلب بات صرف یہ ہے کہ کیا بقول معترض صاحب کوئی اہل سنت یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا یہ عمل احکام قرآنی کے خلاف تھا کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے جائز ورثا چچا اور دختر کو حضرت کا متروکہ نہیں دیا۔

اسی طرح خدا کے وہ خاص بندے جنہوں نے اپنے رسول کریم کی اتباع میں اپنی حیات ہی میں ما ترکنا ہ صدقۃ کہدیا ہو ان کے بعد فقرا ہی اُن کے متروکے مستحق ہونگے کیونکہ صدقہ کا استحقاق ورثا کو نہیں ہوتا۔ اور جہاں یہ صورت نہیں تھی وہاں آیتِ مواریث کے موافق اُن کا متروکہ اُن کے ورثہ کو دیا گیا ہے

ان سب وجوہ کے قطع نظر اس واقعہ کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ متوفی بزرگ مہاجر تھے جس کا معترض صاحب کو بھی اعتراف ہے۔ اور ان کے ورثا مہاجر نہیں تھے ایسی صورتوں میں صاف وصریح حکم قرآنی یہ ہے کہ

ان الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اولٓئک	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے فی سبیل اللہ جہاد کیا اور جن لوگوں نے (اپنے بھائیوں کو) پناہ دی

بعضھم اولیاء بعض ط والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ حتی یھاجروا ط	اور ان کی مدد کی وہی آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جن لوگوں نے ایمان لایا پر ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نکریں تم کو ان کی کوئی ولایت حاصل نہیں ہے

اس آیت میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ جو مومنین مہاجرین اور مجاہدین فی سبیل اللہ اور انصار ہیں وہی ایک دوسرے کے ولی ہیں اور جن لوگوں نے ایمان لایا مگر ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نکریں ان کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

پس اگر مہاجر کا ترکہ مہاجرین میں تقسیم کیا گیا تو یہ حکم قرآنی "اولئک بعضھم اولیاء بعض" (وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں) کی عین اتباع اور تعمیل ہوئی۔ اور اگر ان ورثا کو جو مہاجر نہیں تھے ان مہاجرین کا ترکہ نہیں دیا گیا تو "مالکم من ولایتھم من شیٔ" (تم کو اس غیر مہاجر قرابتدار کی کچھ بھی ولایت نہیں ہے) کی تعمیل کی گئی۔ پھر تو یہ عمل حکم قرآنی کے عین موافق ہوا۔ اس پر قرآنی احکام کے مخالف ہونے کا اعتراض کیسا؟

اس کی مزید توضیح کے لئے دیکھو رسول اللہ صلعم مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کے بعد یہی عمل تھا کہ جو مہاجر رحلت کر جاتے ان کا متروکہ دوسرے مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا جاتا اور

متوفی مہاجر کے وہ قرابتدار جو ایمان سے تو مشرف تھے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اپنے قرابتدار مہاجر کے وارث نہیں ہوتے تھے چنانچہ اسی آیت کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ

قال ابن عباس فی المیراث کانوا یتوارثون بالھجرۃ فکان المھاجرون والانصار یتوارثون دون اقربائھم وذوی ارحامھم وکان من آمن ولم یھاجر لایرث من قریبہ المھاجر۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حکم میراث کے متعلق ہے مہاجرین وانصار ہجرت کے لحاظ سے باہم وارث ہوتے اور ان کے قرابتدار و ذوی رحم وارث نہیں ہوتے تھے اور جو شخص ایمان لایا ہو مگر ہجرت نہ کیا ہو وہ اپنے قرابتدار مہاجر کا وارث نہوتا تھا*

* پس یہ عمل اس کے عین مطابق ہے۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ فتح مکہ تک ہی عمل رہا اس کے بعد ہجرت منقطع ہوگئی اور یہ آیت "اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" سے منسوخ ہو کر جہاں کہیں رہیں قرابت کی بنا پر وراثت جاری ہوگئی۔ لیکن ہجرت کا منقطع ہونا اور اس آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہونا اختلافی مسئلہ ہے کیونکہ جو ہجرت فتح مکہ کے بعد منقطع ہوگئی علماء کے پاس اس سے خاص مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا یا رسول اللہ صلعم کے ہمراہ ہجرت کرنا مراد ہے جو یقیناً منقطع ہوگئی ہے۔ لیکن ہر دار الحرب سے

دارالاسلام کو ہجرت کرنے کا حکم ہمیشہ کے لئے ہر زمانہ اور ہر موقع پر قیامت تک باقی ہے اسی طرح جس مقام پر اظہار دین یا تعمیل احکام دین متعذر ہو وہاں سے دینی اغراض و مقاصد کی حفاظت کے لئے ایسے مقام پر ہجرت کر جانا جہاں یہ موانع نہ ہوں ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ چنانچہ تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے۔

قال الحسن الهجرة غير منقطعة ويجاب عن هذا بان المراد منه الهجرة المخصوصة من مكة الى المدينة فاما من كان من المؤمنين فی بلد يخاف على اظهار دينه من كثرة الكفار وجب عليه ان يهاجر الى بلد لا يخاف فيه على اظهار دينه

حسن کا قول ہے کہ ہجرت غیر منقطع ہے اور (جس نے ہجرت کو منقطع کہا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مکہ سے مدینہ کی طرف مخصوص ہجرت مراد ہے لیکن جو مومن شخص کسی ایسے شہر میں ہو جہاں کفار کی کثرت کی وجہ سے اظہار دین خوفناک ہو اس شخص پر ایسے شہر کو ہجرت کر جانا واجب ہے جہاں اظہار دین کا خوف نہ ہو۔

اس حدیث شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

من فر بدينه من ارض الى ارض ولو كان شبرا (بالشت ۱۲) كان رفيق ابيه ابراهيم ونبيه محمد

جو شخص اپنے دین کی حفاظت کیلئے ایک قطعہ زمین سے دوسرے قطعہ زمین کی طرف چلا جائے اگرچہ ان دونوں کا فاصلہ تھوڑا ہی ہو تو وہ شخص ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) اور محمد (رسول اللہ صلعم) کا رفیق اور ساتھی ہوگا (کیونکہ ان دونوں نے بھی دین کے لئے ہجرت کی ہے)

بعض قرآنی آیات کا منسوخ ہونا نہ ہونا بھی اختلافی مسئلہ ہے جسکی تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ بعض علما تو قرآن کی کسی آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتے جو علما چند آیات کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان میں بھی منسوخ شدہ آیتوں کی نوعیت اور تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ ایسی منسوخ آیتوں کی تعداد کسی نے دو سو بتلائی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے بہت کم ہے یہاں تک کہ بعض نے تو صرف پانچ ہی آیتیں منسوخ قرار دی ہیں۔ اور پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ منسوخ آیتیں (خواہ دو سو ہوں یا پانچ ہی) آخر کونسی ہیں۔

بعض نے جن آیتوں کو منسوخ کہا ہے بعض ان کو غیر منسوخ مانتے ہیں۔ غرض یہاں اس سے تو بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اس موضوع بحث کا یہ حصہ ضرور اس وقت قابل لحاظ ہے کہ جو لوگ قرآن کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں مانتے چنانچہ معدودیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ یا جنھوں نے بعض آیتیں منسوخ تسلیم کی ہیں لیکن اس آیت کو منسوخ آیتوں میں شمار نہیں کرتے تو ضرور ان کے نزدیک یہ آیت جس میں مہاجرین کی میراث غیر مہاجر قرابتدار کو حاصل نہونے کا حکم دیا گیا ہے منسوخ نہیں ہے اور جب یہ آیت منسوخ نہیں ہے تو ان کے پاس یہ حکم بھی ہر وقت بحال و برقرار ہے۔ پس کسی شخص پر

اُس کے مذہب کے مطابق آیات قرآنی پر عمل کرنا کبھی موجب اعتراض نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ انصافنامہ کے مولف رحمۃ اللہ علیہ نے بندگیمیاں شاہ نعمت رضؓ کا یہ واقعہ جس کو معترض صاحب نے اعتراض کے قابل سمجھا ہے لکھنے کے بعد اس کی دلیل کے طور پر یہی آیات لکھی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمل اسی حکم قرآنی کی تعمیل میں کیا گیا ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

ہمارے معترض صاحب اگر اپنے اعتراض کو اصل کتاب انصافنامہ کو سامنے رکھکر مرتب کرتے تو ان سب پہلوؤں پر انہیں غور کرنے کا موقع ملتا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ موقع نہیں ملا ہے بلکہ آپ کے اعتراضات کی تکمیل کسی اور شخص کے ہاتھوں میں ہے وہ جدہر بھی جا رہا چلا ہے آپ بھی اسی سمت کو آنکھ بند کرکے کھنیچے چلے گئے ہیں۔

(۱۰) مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے

"مہدویہ کا عقیدہ ہے کہ اگر آنحضرت کے پاس ایک صدیق تھے تو سید محمدؐ کے دربار میں دو تھے۔ اگر رسول اللہ کے خلفاء راشدین چار تھے تو یہاں پانچ ہوئے۔ اگر وہاں دس صحابیوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی تو یہاں بارہ صحابیوں کو۔ اگر رسول اللہ کی امت میں تہتر فرقے ہوئے تو

یہاں چوہتر ہوئے جن میں ایک عقیدہ خوندمیر والا ناجی ہے۔
خوندمیر کو اسد اللہ الغالب کا بھی لقب دیتے
ہیں اور ان کے بیٹے سید محمود کو امام حسین کے برابر
بلکہ ان سے بہتر جانکر حسین ولایت کہتے ہیں۔
الغرض یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں مثلاً سید محمد
جونپوری کی معراج۔ ان پر وحی کا نزول وغیرہ ایسی باتیں ہیں
جن کو دیکھنے کے بعد ایک سنی تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ
ان کے عقیدہ کے آدمی ہیں آپ خود جو چاہیں سمجھیں
اور کہیں "
اس نمبر میں مضمون نگار صاحب نے جن امور کو ذکر کیا ہے
ان کی نسبت ہم نے بہت غور کیا کہ ان کے گنانے سے مضمون
نگار صاحب کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم نے جہاں تک
غور کیا ہمارا تعجب بڑھتا ہی گیا اور ان امور کو مورد اعتراض
گردانٹے اور عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دینے کی کوئی
وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔
اگر مہدویہ اور اہل سنت کے عقائد میں تضاد و تخالف
ثابت کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ آپ کے الفاظ "کوئی سنی تو یہ
نہیں کہہ سکتا کہ آپ ان کے عقیدہ کے آدمی ہیں" اسی پر
دلالت کر رہے ہیں۔ تو یہ بے سود کوشش ہوگی۔ کیونکہ ایک

طالب علم بھی جانتا ہے کہ تضاد کے لئے اتحاد وقت اور اتحاد محل شرط ہے۔

مثلاً اہل سنت کے پاس رسول اللہ صلعم کے ایک صدیق ہوں اور مہدویہ کہیں کہ دو صدیق ہیں یا اہل سنت کہیں کہ آنحضرت صلعم کے چار خلفاء ہیں اور مہدویہ کہیں پانچ ہیں یا اہل سنت کے پاس رسول اللہ نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی ہے اور مہدویہ کہیں کہ بارہ کو تو البتہ یہ صورت اختلاف اور تضاد کی ہو سکتی ہے۔ اگر مہدویہ کے پاس مہدی علیہ السلام کے دو صدیق یا پانچ خلفاء۔ بارہ مبشرہ ہیں تو چونکہ وقت اور محل بدل گیا ہے اس لئے عقیدۂ اہل سنت سے تضاد لازم نہیں آتا۔

اگر مضمون نگار صاحب کا مطلب دو صدیق یا پانچ خلفاء بارہ مبشر اور چوہتر فرقے ہونے سے مہدی علیہ السلام کو رسول اللہ صلعم سے افضل ثابت کرنا ہے اور ان کے اصول کے لحاظ سے اسی قسم کی باتیں معیار فضیلت قرار دی جا سکتی ہیں تو پھر بہت سارے امور میں نہ صرف خلفائے رسول اللہ صلعم بلکہ اکثر اولیائے امت رسول اللہ صلعم سے افضل ہو جائیں گے۔ مثلاً اشاعت اسلام میں جس قدر ترقی زمانہ خلفاء راشدین میں ہوئی اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں۔ جتنے ممالک فتح ہوئے آنحضرت ؐ کے زمانہ میں نہ اتنا اسلام پھیلا نہ اس قدر دیار و امصار زیر حکومت آئے بلکہ

خلافت بنو امیہ اور خلافت عباسیہ کے زمانہ میں اسلام کو جو قوت حاصل ہوئی۔ کیا آنحضرت کے زمانہ میں یہی کیفیت تھی؟ کیا یہاں بھی مضمون نگار صاحب افضلیت کا نتیجہ نکالنے کی جرأت کریں گے؟

اس سے بھی قطع نظر ہزارہا اولیاء اللہ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے حالات پر نظر ڈال لیے اور ان کے بہت سارے امور کو چھوڑ کر صرف ان بزرگوں کے خلفاء کی تعداد بتائیے؟ کیا ان میں سے ہر بزرگ کی خدمت میں چار ہی طالبان خدا یا چار ہی خلفاء تھے یا سیکڑوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ اگر چار سے بہت زیادہ تھے تو کیا یہاں بھی اسی زیادتی خلفاء کو وجہ فضیلت قرار دیا جائیگا۔ پس اگر مضمون نگار صاحب کی یہی ذہنیت ہے اور اسی قسم کی باتیں بنائے فضیلت قرار دیجا سکتی ہیں تو وہ اور ان کے ہمنوا ہر ایک ولی کو آنحضرت صلعم سے افضل جاننے پر مجبور ہوں گے۔

دوسری بات یہ کہ مضمون نگار صاحب نے اہل سنت کے نام سے بلا تحقیق لکھدیا کہ آنحضرت کے ایک صدیق چار خلفاء اور دس مبشر تھے حالانکہ خود اہل سنت میں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے

چنانچہ ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ۔

اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِہٖ وَاَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ۔	میں اللہ کا بندہ رسول اللہ کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔

فرمائیے رسول اللہ صلعم کے صرف حضرت ابوبکر ہی ایک صدیق ستھے؟ اور کیا اہل سنت حضرت علیؓ کی صدیقیت کے منکر ہیں؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ کے باب مطاعن میں لکھتے ہیں "دو وزیر از اہل آسمان جبرئیل ومیکائیل بودند" کہئے وزراء رسول اللہ چار ہی تھے؟ عشرۂ مبشرہ کے علاوہ حسنینؓ اور حضرت فاطمہؓ کے جنتی ہونے کی نسبت بھی احادیث وارد ہیں جن کی بناء پر علامہ تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں۔

نَشْھَدُ بِالْجَنَّۃِ لِلْعَشَرَۃِ الَّذِیْنَ بَشَّرَھُمُ النَّبِیُّ وَکَذَا نَشْھَدُ بِالْجَنَّۃِ لِفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ۔	ان دس صحابہ کے علاوہ جن کو رسول اللہ نے جنت کی بشارت دی ہے حضرت فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ کے جنتی ہونیکی بھی ہم (اہلسنت) گواہی دیتے ہیں۔

کہئے اب بھی مبشر بالجنۃ دس ہی ہیں؟ اور کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امام حسنؓ وامام حسینؓ کے قطعی جنتی ہونے میں کسی اہل سنت کو تامل ہے؟

رسول اللہ صلعم کی امت کے تہتر اور مہدویہ کے چوہتر فرقے ظاہر کرنے سے بھی شاید یہی مقصود ہے کہ رسول اللہ صلعم پر مہدی علیہ السلام کی فضیلت ثابت کریں حالانکہ مہدویہ کے چوہتر فرقوں پر منقسم ہونے کی اصلیت وہی ہے جو اس حدیث کی ہو سکتی ہے جس کو ابن ماجہ نے عوف ابن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ یہود کے (۷۱) اور نصاریٰ کے (۷۲) فرقے ہو گئے اور میری امت کے (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک ایک فرقہ ناجی ہوگا۔

کیا اس حدیث کے یہی معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے رسول اللہ صلعم افضل ہیں کیونکہ امت موسیٰ کے (۷۱) اور امت عیسیٰ کے (۷۲) اور امت محمدیہ کے (۷۳) فرقہ ہیں۔ اور کیا رسول اللہ کا افضل الانبیاء ہونا امت کے (۷۳) فرقے ہونے پر مبنی ہے؟

اس غلط فہمی کے علاوہ مضمون نگار صاحب نے اس روایت میں دیانت سے بھی کام نہیں لیا۔ روایت صرف اس قدر ہے کہ چوہتر فرقوں میں ایک فرقہ ناجی ہوگا لیکن یہ تخصیص کہ "عقیدہ خوندمیروالا ناجی ہے" محض زائد اور صرف مضمون نگار صاحب کی طبع زاد ہے۔ کیونکہ عقیدہ خوندمیروالا کوئی علیحدہ فرقہ ہی نہیں ہے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ الغالب کہنے اور آپ کے فرزند حضرت بندگی میاں سید محمود رضؓ کے نام کے ساتھ حسین ولایت لکھنے پر بھی مضمون نگار معترض ہیں لیکن ایسے مہمل اعتراض کے جواب میں بحث کو طول دیکر ہم اپنا اور ناظرین کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ مضمون نگار صاحب جیسے ہمہ دانی کے مدعی کو علماء اصول کا یہ ضابطہ شاید معلوم نہیں ہے کہ وہ اطلاق اسم الشئی علی مایشابہہ فی اکثر خواصہ وصفاتہ جائز حسن (کسی چیز کا اطلاق دوسری چیز پر کرنا جو اس کے اکثر خواص وصفات میں مشابہہ ہو جائز اور حسن ہے)

پس یہ اطلاقات یا القاب وغیرہ بھی اسی ضابطہ کے تحت ہو سکتے ہیں اور اس کی نظائر بیشمار ملتی ہیں ان سے مشابہت جو اثلث مقصود ہوتی ہے عینیت افضلیت مراد نہیں ہوتی۔

مضمون نگار صاحب کا یہ اتہام بھی از یں قبیل ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت سید محمودؓ کو امام حسینؓ کے برابر بلکہ ان سے بہتر جانتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک کی فضیلت دوسرے پر زیر بحث ہی نہیں ہے۔ ہر ایک بجائے خود ہے۔

رہی معراج اور وحی۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ معراج کی دو قسمیں ہیں ایک معراج جسمانی دوسری روحانی معراج جسمانی رسول اللہ صلعم کے خصوصیات سے ہے اور معراج روحانی

جس سے کشف و شہود۔ کمالات روحانی اور سیر باطن مراد ہے
ہر ولی کو حاصل ہو سکتی ہے مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ
کا آسمان پر جانا اور قضاء و قدر میں تصرف کرنا تو بہت مشہور ہے
تذکرۃ الاولیا میں حضرت بایزید بسطامی کے حالات میں معراج
کا عنوان قایم کرکے آپ کی معراج کی کیفیت کو یوں لکھا ہے

"شیخ نے فرمایا ہے کہ جب میں مقام وحدانیت میں پہنچا
اور یہ پہلا مرتبہ تھا جو میں نے توحید کی طرف نگاہ کی ہے۔ برسوں
اس جنگل میں فکر و فہم دوڑایا آخر میں مثل مرغ کے ہمیشہ پرواز
کرتا رہا۔ جب میں مخلوقات سے غائب ہوا تو میں سے
جانا خالق کی طرف پہنچ گیا۔ پس میں نے ربوبیت کے
بیابان سے سر نکال کر ایک پیالہ پیا جس کا مزہ قیامت
تک نہ بھولوں گا۔ پس تیس ہزار برس میدان وحدانیت
میں اور تیس ہزار برس میدان ربوبیت میں اور تیس ہزار
برس فردیت میں اڑا۔ جب نوے (۹۰) ہزار برس گزرے
تب میں نے بایزید کو دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا سب
میں ہی تھا۔ پس چار ہزار میدان طے کرکے اولیاء اللہ کے
درجۂ نہایت تک پہنچا۔"

کیا یہ نوے ہزار برس کی معراج صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو
مضمون نگار صاحب اپنے کسی مزعومہ سنی سے دریافت کریں کہ

حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الطایفہ بایزید بسطامی رح بھی ان کے عقیدہ کے آدمی ہیں یا نہیں ؟

پس مہدی علیہ السلام کی نسبت بھی اگر معراج کی کوئی روایت پائی جاتی ہے تو اس سے یہی معراج روحانی مراد ہو سکتی ہے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

وحی کے متعلق اس قدر کہنا کافی ہے کہ مہدویہ کی کتابوں میں وحی کا لفظ مستعمل نہیں ہے اور کوئی مہدوی اس امر کا قایل نہیں ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام پر جبرئیل وحی لاتے تھے مضمون نگار صاحب کی یہ غلط بیانی بھی اُن لا حاصل کوشش کے سلسلہ میں ہے جو انہوں نے مہدویہ اور اہل سنت کے عقائد میں اختلاف ظاہر کرنے کے لئے نہ صرف اپنی طاقت و استعداد سے زیادہ بلکہ انصاف و دیانت کے خلاف بھی کی ہے۔

بہت ممکن تھا کہ ہم اس بے معنی اعتراض کے جواب سے اعراض کر جاتے مگر ناظرین کی واقفیت کے لئے ہم نفس وحی کی حقیقت کو کسی قدر واضح کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تعلیم یا حکم ہوتا ہے اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ مخاطب یا موحیٰ الیہ کے قلب پر

کسی مفہوم و معنی کا انکشاف بلا حرف و صوت ہوتا ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ ۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۔	وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی طرف جو کچھ وحی کی ۔

اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔

چونکہ اس وحی کا استناد خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف فرمایا ہے اس لئے اس وحی میں فرشتہ کا واسطہ نہیں ہے

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا حکم یا تعلیم یا مکالمت حجاب نوری سے بذریعہ الفاظ ہوتی ہے چنانچہ اس آیۂ کریمہ سے بھی ظاہر ہے ۔

وَكَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَكْلِيْمًا	اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا ۔

چونکہ الفاظ کے بغیر کلام کا تحقق نہیں ہو سکتا ہے اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں البتہ خدا تعالیٰ نے تکلم کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے اس وجہ سے فرشتہ کا واسطہ یہاں بھی مفقود ہے ۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحی فرشتے (جبرئیل) کے واسطے سے ہوتی ہے چنانچہ یہ آیۂ کریمہ اس پر دلالت کرتی

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ ۔	یا اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے وحی کرتا ہے ۔

وحی کی یہ تین قسمیں جو ہم نے بیان کی ہیں علماء اہل سنت کے مسلک کے موافق ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن رشد اندلسی رسالۂ کشف میں لکھتے ہیں۔

" فالوحی هو وقوع ذالك المعنی فی نفس المخاطب کما قال تبارك وتعالی فکان قاب قوسین اودنی فاوحی الی عبده ما اوحی	اس معنی ومطلب کا نفس مخاطب میں القا ہونا وحی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فکان قاب قوسین اوادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔
ومن وراء الحجاب هو الکلام الذی یکون بواسطة الفاظه یخلقها فی نفس المخاطب الذی اصطفاه بکلامه وهذا هو کلام حقیقی وهو الذی خص الله به موسیٰ ولذلك قال تعالیٰ وکلم الله موسیٰ تکلیما واما قوله	اور من وراء الحجاب وہ کلام ہے جو الفاظ کے واسطے سے ہوتا ہے جنکو خدا تعالیٰ اس مخاطب کے نفس میں پیدا کرتا ہے جسکو اپنے کلام کیلئے برگزیدہ کیا ہے۔ یہ کلام حقیقی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص کیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ
او یرسل رسولا فهذا هو القسم الثالث وهو الذی یکون منه بواسطة الملك انتهی۔	او یرسل رسولا۔ یس یہ تیسری قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ کے واسطے سے وحی ہوتی ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ وغیرہ مفسرین نے بھی ان اقسام وحی کی

وضاحت کی ہے۔

غرض یہ کہ وحی کی پہلی دونوں صورتوں میں فرشتہ کا واسطہ نہیں بلکہ مخاطب یا موحی الیہ کو جناب احدیت سے بلا واسطہ استفادہ و استفاضہ ہوتا ہے۔ البتہ صرف تیسری صورت میں فرشتہ کا واسطہ ضروری ہے اور یہی وحی لازمۂ نبوت ہے چنانچہ نص قاطع

ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ	(محمد) اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتے ہیں (بلکہ) یہ (قرآن) وحی آسمانی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے اور ان کو جبرئیل تعلیم کرتا ہے۔

اسی امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ نبی احکام شریعت سے متعلق جو کچھ بیان کرتا ہے وحی ملک سے بیان کرتا ہے۔

پس وحی کی پہلی دونوں صورتیں الہام کے معنی میں ہیں اور یہ خود قرآن شریف میں بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں فرماتا ہے کہ

فلما ذھبوا بہ واجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا۔	جب یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی لے گئے اور ان کو کوئیں میں ڈالنے پر متفق ہو گئے تو ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی کہ (تم تنگدل نہوں) ایک دن آئیگا کہ تم ان کو ان کے اس کام کی خبر دیں گے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر سترہ سال کی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ عطائے نبوت کا زمانہ نہیں ہے اسی واسطے امام فخرالدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

القول الثانی ان المراد من ھذا الوحی الالھام کما فی قولہ تعالیٰ واوحینا الی ام موسیٰ وقولہ تعالیٰ واوحی الی النحل	اس وحی سے الہام مراد ہے جس طرح خدا تعالیٰ کے اس قول میں وحی سے الہام مراد لیا گیا ہے جو فرماتا ہے کہ ہم نے والدۂ موسیٰ کی طرف وحی کی اور شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ علمائے اہل سنت کے پاس وحی مطلق کو نبوت و رسالت لازم نہیں ہے پس ہر صاحب وحی کا نبی ہونا ضروری نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو جناب احدیت سے وحی بلا واسطہ ہوتی ہو۔

اس تمام بحث کے لحاظ سے معترض صاحب نے نزول وحی پر اعتراض کرتے ہوئے اس امر کو جو عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ظاہر کیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ اگر نزول وحی سے اس کی پہلی دونوں صورتیں یعنے وحی بلا واسطہ مراد ہے جس کو الہام کہتے ہیں تو اس میں عقیدۂ اہل سنت کی کوئی مخالفت نہیں ہے تمام خلفاء اللہ اور اولیاء اللہ کو الہام ہونا اہل سنت کا مسلمہ ہے بلکہ وہ تو اُمّ موسیٰ اور نحل کو بھی اس معنی سے وحی ہونا جائز مانتے ہیں

اور اگر معترض صاحب کا منشا حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام پر نزول وحی بیان کرنے سے حضرت کے نبی ہونے کا نتیجہ نکالنا ہے تو ہم بہ بانگ دہل کہتے ہیں کہ ایسا نتیجہ نکالنا اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ مہدویہ حضرت امام علیہ السلام کو نبی و رسول کہتے ہیں۔ مہدویہ کے اعتقاد میں حضرت رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس خاتم الانبیاء والمرسلین ہے کہ آپ کے بعد نبوت بالکل ختم ہو چکی ہے

پس اس صاف و صریح اعتقاد کے مقابل اگر بالفرض جناب مہدی موعود علیہ السلام کی نسبت کہیں وحی کا اطلاق ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے حضرت کا نبی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے مراد الہام بلا واسطہ ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس مسئلہ میں اس قدر آداب و حفظ مراتب ملحوظ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نسبت وحی کا لفظ تک مستعمل نہیں ہے۔ یہ صرف مضمون نگار صاحب کی افترا پردازی ہے یا کسی مفتری کی ترجمانی۔

اگر مضمون نگار صاحب اور ان کے مزعومہ اہل سنت اپنے نظریہ کے تحت مطلق وحی کو لازمۂ نبوت کہتے ہیں۔ تو یوسف علیہ السلام کو ستر ہ سال کی عمر میں نبی ماننے کے علاوہ